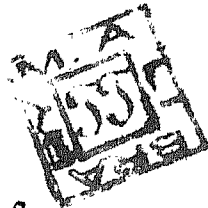


مقدمات امیر شریعت



مکتبہ

جانباز مرزا

مدیر مآہنامہ تبصرہ لاہور

مکتبہ تبصرہ بیرونِ ہلی دروازہ لاہور

مجموعہ محفوظ

CHECKED-2002

۲۱۲۹۳

۲۱۲۹۳
قیمت ۲ روپے

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U41493

Stam

مطبوعہ دار و پرسی لاہور

مقدمہ: امیر شریعتؒ

حضرت امیر شریعتؒ میج لانا سی عطاء اللہ شاہ بخاری کلمہ مقدمہ
ہائی کورٹ میں

مسٹر لدھارام
سرکاری رپورٹر

اور دیگر گواہان استغاثہ کے دلچسپ بیانات

واقعاتِ مقدماتِ کثیرا

حاکم اور محکوم کے درمیان "اعتبار" ایک ایسے فرق کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جس پر دونوں کا یقین قائم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ انگریزی حکمران ہندوستانی عوام کو ہمیشہ دزدیدہ لگا ہوں سے دیکھتے رہے اور غلاموں کا دل بھی حاکموں کے لیے اجنبی رہا۔!

دوسری جنگِ عظیم میں سامراجی قوتوں کو پہلی بڑی لڑائی میں اپنے دُعاں سے اخراج کے باعث اپنے ہی غلاموں پر کھروسہ نہیں رہا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر جرمن قوم اپنی شکست کا انتقام لینا چاہے تو ہندوستان دوسری جنگِ عظیم میں ہمارا اتحادی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے برطانوی دُعاں نے انھیں سڑ پیمیر لین جنگ کے بدلوں کو اپنے چھاتے کے بہار کے روکتے رہے لیکن لندن کی کھڑکیاں آخر ٹوٹ کر رہیں۔

م متحدہ ہندوستان کے فرنیہ خوردہ عوام فرنگی اقتدار کے مندر پر اپنی جھانپاں
 بھینٹ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اور نہ ہی ان کی انگلیاں اپنی غلامی کے
 ٹوٹے ہوئے جال کی مرمت کرنے کا ارادہ کھستی تھیں۔ چنانچہ فرنگی دانشوروں
 نے اپنے عسکری مراکز کے گرد حصار کی تعمیر مناسب سمجھ کر اپنے باغیوں کی
 دیکھ بھال میں مزید اضافہ کر دیا۔ اپنی دلوں کی بات ہے کہ حضرت امیر شریعت
 سید عطار اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا
 گل شیر علیہ الرحمہ کی معیت میں ضلع میانوالی کے تبلیغی دورے پر گئے۔ اگرست
 ۹۳۹ھ کی بات ہے۔

جنگ جوجوالوں کی اس دھڑی پر حضرت امیر شریعتؒ نے توحید باری تعالیٰ
 اور برطانیہ کے خلاف بغاوت کے جو پھول بکھیرے میانوالی کی خشک، دیوار
 اور ریلی زمین انھیں اپنے دامن میں سیٹھی رہی۔ چنانچہ آج اس ضلع میں سیاست
 کے جو برگ و بار مٹاؤں نظر آ رہے ہیں یہ اپنی ہواؤں کا اثر ہے جو دامن امیر
 شریعت نے وقت اور موسم کے خلاف نکالی تھیں۔

خان زماں، صوفی عبدالرحیم، صوفی اللہ داد اور دوسرے سیاسی کارکن
 اپنی دلوں کی پیداوار ہیں۔

ریت کی سرزمین سے بادِ سموم کا ہر جھونکا انگریزی سامراج کے خلاف
 آگ لکھنے لگا۔ مزدوروں سے مسلح بازو غیر لکھی غلامی کے خلاف جہاڑیں صرف

ہو گئے۔ پہاڑوں کے دامن میں پرورش پانے والے سنگ دل عوام حریت کے گیت الہ اپنے لگے۔

یہ دیکھ کر عزیز لمکی حکمرانوں کے تیور بدل گئے۔ قانون فرنگی شکاری کتے کی طرح پائے امیر شریعت کے نشان ڈھونڈنے لگا۔ حکومت اپنے باغی کی تلاش میں سرگردان رہنے لگی۔ مال کار وہ مخوس گھڑی آن پہنچی کہ حضرت امیر شریعت رحمہ ۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ضلع مظفر گڑھ سے دفعہ ۱۲۱-۳۰۲-۱ اور ۱۲۳/۱۵۳ کے تحت سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے گرفتار کر لیے گئے۔ یہ مقدمات اسے ڈی ایچ ایم راولپنڈی کی عدالت میں ۲۳ روز تک زیر سماعت رہے۔ ۱۳- اکتوبر کو عدالت نے انجینسٹن سپرد کر دیا۔

ہنوز قانون فرنگی اپنے جھوٹ میں سچائی کی تلاش کر رہا تھا کہ حکام گجرات نے ایک نئی کروٹ لی اور حضرت امیر شریعت کو ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو لاہور میں کسی کی ایک تقریر کی بنا پر دفعہ ۳۰۲/۱۷۷ کے تحت ایک نئے مقدمہ کی طرح ڈالی پنجاب کی عوامی حکومت ان دنوں سرسکندریات کے بقعہ اقتدار میں تھی وہ اگرچہ ذہنی طور پر پنجاب کی وزارت اعلیٰ چلا رہے تھے لیکن دل سے افواج فرنگی کے علمبردار تھے۔ انہی دنوں آسمان یورپ پر جنگ کے بادل تیزی سے منڈلا رہے تھے کہ کسی گھڑی بھی ان کے برسے کا گمان ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں سرسکندریات بساط سیاست پر فرنگی دانشوروں کے

ہاتھ میں ایک ایسا مہر لٹکا کہ جس کی ہر چال سے فریق مخالفات کھا سکتا تھا۔ چنانچہ امیر شریعتؒ پر دوسرا مقدمہ ایک بہت بڑی سازش تھی۔ اگر اس ڈرامہ کا ہدایت کار خود اپنے ہی مبنے ہوئے حال میں نہ الجھتا تو امیر شریعتؒ روح کو دو دفعہ مرنے موت ہوتی اور انھیں دو دفعہ بچانسی کے تحتے پر لٹکایا جاتا۔

۱۸۔ ستمبر ۱۹۳۹ء کو گجرات سب جیل میں لالہ بکھی داس کی عدالت میں پہلی دفعہ حضرت امیر شریعتؒ رح کو پیش کیا گیا۔ دوسری پیشی ۱۱ جنوری ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔ جب کہ استغاثہ کے چیف گواہ لالہ لدھارام پولیس رپورٹ نے عدالت میں اپنا تاریخی بیان دیا۔ جو آگے چل کر آپ ملاحظہ کریں گے۔ اس بیان کی بنا پر گورنمنٹ کے ایڈوکیٹ جنرل نے ۳۱ فروری ۱۹۴۰ء کو لاہور ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ :

”سید عطار اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل کیا جائے چونکہ لدھارام گواہ استغاثہ نے سکندریات وزیراعظم پنجاب کو جولا اینڈ آرڈر کے انچارج بھی ہیں اس مقدمہ میں پھنسانے کی کوشش کی ہے اس لیے کسی ماتحت عدالت پر اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔“

ایڈوکیٹ جنرل کی اس درخواست کی سماعت مسٹر اسکپ نے کی جو

ہائی کورٹ کے جج تھے۔) اس کے بعد یہ تاریخی مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل ہو گیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر ڈگلس نینگ اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات کے درمیان ذاتی کشمکش بھی جس کی بنا پر ڈگلس نینگ نے دہلی کے مشہور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ مسٹر آر کی معرفت مولانا حبیب الرحمن مرحوم سے ملاقات کی خواہش کی۔ چنانچہ مولانا مرحوم ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی معیت میں صبح پانچ بجے چیف جسٹس کی کوٹھی پر پہنچے۔ مسٹر نینگ کو کوٹھی کے عقبی دروازے پر مولانا کے منتظر تھے۔ ہمالوں کو مسٹر نینگ اپنے خصوصی کمرے میں لے گئے۔ دو گھنٹے تک ڈاکٹر عبدالقوی کے توسط سے مسٹر نینگ اور مولانا حبیب الرحمن کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ اس گفتگو کے دوران مسٹر نینگ نے وعدہ کیا کہ ابتدائی سہاعت سے لے کر آخری فیصلے تک یہ مقدمہ میں خود سبزیوں کا اور خود ہی فیصلہ کر دوں گا۔ اگرچہ حکومت پنجاب اور سی آئی ڈی کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسٹر نینگ اور مولانا حبیب الرحمن کے درمیان کوئی حقیقی ملاقات ہوئی ہے لیکن توسط اور مقام معلوم نہ ہو سکا۔ حکومت اور سی آئی ڈی اس ملاقات کے متعلق کافی دلوں پریشان رہی۔

مغربات کی عدالت میں شاہ جی کے وکیل دیوان چین لال تھے۔ لداہام کے بیان کے بعد پولیس گواہ استغاثہ کو مخوف قرار دے چکی۔ چنانچہ

پولیس کی کوشش بھی یہ کہ جیسے ہی لدھارام عدالت سے فارغ ہوا سے گرفتار کر لیا جائے لیکن دیران چمن لال لدھارام کو اپنے ساتھ عدالت سے باہر لائے۔ پولیس کو یقین تھا کہ دکیں اور گواہ کے درمیان کوئی کمیٹی گفتگو ہو رہی ہے اس لیے مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ پولیس منتظر تھی کہ یہ فارغ ہو اور گرفتار کر لیں۔ لیکن دیران چمن لال پولیس کے ارادوں کو بھانپ گئے اور لدھارام کو فوراً اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر لے گئے۔ اس واقعے سے پولیس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے اپنے پیشکار کی تلاش میں پنجاب بھر کے دیہات۔ قضبات اور شہری مجالس احرار کے دفاتر پر اکثر چھاپے مارے لیکن مسٹر لدھارام پنجاب میں نہیں بلکہ یوپی کے ایک شہر سہارن پور سے آگے ایک جنگل میں پناہ گزیں تھے۔

۱۱۔ اور ۱۲۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو مقدمہ از سر نو چیف جسٹس مسٹر نیک اور مسٹر رام لال پرستہمل فل پیج کے روبرو پیش ہوا۔ دودن کی سماعت کے بعد لدھارام کی شہادت کے لیے مقدمہ یکم اپریل ۱۹۴۷ء تک ملتوی کر دیا گیا۔

استغاثہ نے اس مقدمے کی کہانی اس طرح بنائی تھی کہ :

”شاہ جی نے اپنی ۲۸۔ جون کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ اسلامی

حکومت اب نہیں رہی اور مسلمانوں کو عنانِ حکومت بھرا اپنے
قبضے میں لینی چاہیے۔

اور مسلمان عورتوں کے نکاح کے فیصلے شیطان انگیز کرتے
ہیں اور اسلامی قانون کو مد نظر نہیں رکھا جاتا اور بعض غیر
دین دار موزوں نے انگریزوں کے زیر اثر تاریخی واقعات کو
غلط پیرائے میں بیان کیا۔ مثال کے طور پر عالمگیر اورنگ زیب
بارہ من جینیور و زائد اتروائے کا واقعہ بیان کیا اور حاضرین
کی حوصلہ افزائی پر شاہ صاحب نے کہا کہ میں حکومت کا تختہ
الٹ دوں گا اور ان کو ایسے زور سے سمندر میں پھیل دوں گا
کہ پھر واپس نہ آسکیں گے اور انگریزوں کے خون سے سمندر کے
پانی کو سرخ کر دوں گا جس طرح یرید نے حضرت امام حسینؑ کی
فوجوں کو قتل کر دیا تھا۔

اور علامہ مشرقی گورنمنٹ کا ایجنٹ ہے اس لیے حاضرین کو
ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ اور مرزا غلام احمدؒ ایک کافر
ہے جس نے برٹش گورنمنٹ کو پانچ صد گھوڑ سواروں کی امداد کی
استغاثہ کی اس کہانی کے بعد عدالت نے لدھارم کو بطور استغاثہ کے
گواہ کے طلب کیا۔ جسے ماتحت عدالت میں بیان دینے کی بنا پر منحرف

قرار دے چکی تھی۔ ہائی کورٹ میں شاہ جی کے وکیل میاں عبدالعزیز نے دوسرے دن کے لیے اجازت چاہی تاکہ لدھارام گروہ کو پیش کر سکیں۔
۲۔ اپریل ۱۹۲۵ء کی صبح کو سٹر لدھارام احرار رضا کاروں کی معیت میں لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر اترے۔ وہ رومی ٹوپی، مشتری رنگ کی اچکن اور تنگ پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ ممکن ہے پولیس ان کے روایتی لباس میں تلاش کر رہی ہو۔ لیکن وہ اس لباس میں چھپ کر پولیس کی نظروں سے اوجھل ہائی کورٹ میں پہنچے۔

حالات عالیہ کا صحن حرام، پولیس اور رضا کاران احرار سے بھرا ہوا تھا۔ پولیس لوہے کی تختیوں اور لٹھیاں لیے سٹر لدھارام کی منتظر تھی۔ لیکن ۲۔ اپریل کا دن پولیس کی ناکامی کا بدترین دن تھا جب کہ وہ اپنی تمام قوت کے باوجود احرار رضا کاروں سے شکست کھا گئی۔

احرار رضا کار اور پولیس کے درمیان کش مکش تھی۔ پولیس لدھارام کو عدالت میں جانے سے پہلے گرفت کر کرنا چاہتی تھی لیکن احرار رضا کار لدھارام کو ہائی کورٹ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس دوڑ دھوپ میں جیت احرار رضا کاروں کی ہوئی۔

یکم اپریل سے ۳۔ اپریل تک لدھارام کی شہادت ہائی کورٹ میں جاری رہی۔ ۵۔ اپریل کو حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے استغاثہ کی تردید میں

عدالت میں اپنا بیان دیا کہ :

میں نے ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ میں تقریر کی اور اس میں کہا کہ ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے گئی اب مسلمانوں کو آزادی وطن میں حصہ لینا چاہیے نیز میں نے کہا تھا کہ وطن کے آزاد ہونے پر مسلمانوں کے مذہبی مقدمات شریعت کے مطابق طے ہوں گے۔ چونکہ جلسہ کانگرس کا تھا اور میں کانگرس پلیٹ فارم سے بول رہا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں میں نے کہا کہ بعض مورخین نے متعصبانہ رنگ میں یہ غلط بات مشہور کی تھی کہ اورنگ عالمگیر روزانہ بارہ من جینو جلا یا کرتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دہلی کے قریب دھواڑ میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا حالانکہ اس وقت بھی وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور

اب بھی ہے

چیف جسٹس : کیا آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں تو میں حکومت کا تختہ الٹ دوں اور شیطان انگریزوں کو ایسا دھکا دے کہ باہر نکال دوں کہ واپس نہ آسکیں۔

شالا جی : میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے۔ نیز میں نے اپنی تقریر میں یہ نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کرو جس طرح یزید نے حسینؑ کی فوج کو قتل کیا تھا۔ میں تیس سال سے عدم تشدد کی تلقین کر رہا ہوں۔ ہنگو سے ڈھا کہ اور شملہ سے سے بیسی تک کر پڑوں آدمیوں میں عدم تشدد کی تبلیغ کی اور لاکھوں کو اپنا رفیق بنایا۔ اس قسم کے لغو الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں کیے۔

جہاں تک امام حسین علیہ السلام اور یزید کا تعلق ہے آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے کو یزید کہا اور انگریزوں کو حسینؑ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان اپنے کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ میں یزید کا اپنے لیے اور حسینؑ کا انگریزوں کے لیے استعمال کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی یہ برداشت کر سکتا ہوں کوئی اپنے آپ کو یزید کہے۔

میں علامہ مشرقی کی سخرایک کی مخالفت کرتا رہا ہوں ممکن ہے میں نے علامہ مشرقی کو ایجنٹ کہا ہو لیکن دے کے لفظ تو

میں اپنی زبان سے کہنا بھی نہیں چاہتا۔
 مسٹر سلیم : ایڈوکیٹ جنرل کے سوال کے جواب میں
 شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے ہزاروں مرتبہ مرزا غلام احمد
 کو کافر کہا ہے۔ کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ میرا مذہب
 ہے۔ مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں میں درج ہے کہ انہوں
 نے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں دلایا
 تھا کہ ان کے دادا نے ۱۸۵۸ء میں پانچ سو سواروں
 سے گورنمنٹ کی مدد کی۔ اس سے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔
 ہائیکورٹ کے جج بیچ نے جو کہ مسٹر جسٹس فنگ اور دیوان رام
 لال پر مشتمل تھلے گواہان استغاثہ کے بیانات اور شاہ صاحب
 کے بیانات کے بعد حضرت امیر شریعت کو باعزت بری کر دیا۔
 مسٹر لدھارام کو جو اس مقدمے کا خاص گواہ تھا محض قہر
 دیتے ہوئے اس پر مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی۔

مقدمہ نمبر ۲

قادیان میں مرزائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کش مکش اگرچہ کافی عرصے سے چلی آرہی تھی تاہم اکابِ دقت ایسا بھی آیا کہ مرزائی اکثریت کی بنا پر قصبہ کے مسلمانوں سے اچھوتوں کا سالوک کرنے لگے۔ نہ صرف مذہب میں ان سے بیگانگی برقی جاتی بلکہ کاروبار میں بھی چپہر ایسی شرطیں عادی کر دی گئیں ان پر عمل کیے بغیر کوئی مرزائی مسلمان دکان دار سے سودا خریدنا گناہ خیال کرتا۔ مثلاً جس دکان دار کے پاس مرزا محمود کا سٹریٹکیٹ نہ ہو اس سے کاروباری لین دین ناممکن تھا۔ سٹریٹکیٹ میں چند اس قسم کی شرائط تھیں :

ہم مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام احمد کہیں گے۔
مسلمانوں کے کسی اجتماع میں شرکت سے اجتناب کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قصبے کے مظلوم مسلمانوں نے اپنی بے چارگی پر آنسو بہائے۔ ہندو
 اور سکھ تو ان سے ہمدردی کرتے لیکن مرزائی ایک قدم بھی مسلمانوں کے
 ساتھ زواداری سے چلنا گناہ سمجھتے۔ آخر ایک وقت آیا کہ مجلس احرار
 نے اعلیٰ قصبے کے مسلمانوں کی امداد کرنا ناگزیر سمجھا۔ چنانچہ وہاں مجلس احرار
 کا دفتر قائم کیا گیا۔ مولانا غنایت اللہ اور اس کے بعد مسٹر تاج الدین
 انصاری نے قادیان کے مسلمانوں کی نگہداشت کی۔ دے بے ہوئے مسلمانوں
 نے نئی کروٹ لی۔ خزاں بہار میں بدل گئی۔ دیر ان دل کلمہ توحید سے
 آباد ہونے لگے۔ ختم نبوت کا پرچم غیر مسلموں کے لیے روحانی موت بن
 کر لہرانے لگا۔ کفر سہم کر رہ گیا۔ اس طرح محسوس ہوا جیسے محمود غزنوی
 سومنات کی دیواریں گرانے آیا ہے۔ آگے بڑھ کر حالات نے اور سنبھالا
 لیا، ایمان پختہ ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار اسلام نے اپنا پہلا تاریخی
 اجتماع قادیان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا جس سے برطانوی سامراج
 اپنے خودکاشتہ پودے کی حفاظت کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہو کر
 میدان کارزار میں اتر آیا۔ قادیان کے راستے مسلمانوں کے لیے مسدود
 کر دیے گئے۔ قادیان کے اٹلیشن سے شہر تک تمام راہیں یوں کے کاٹور
 سے بھر دی گئیں۔ شکاری کتوں کے رستے کھول دیے گئے۔ اور وہ زمین
 جس پر اجتماع منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا تھا مالک زمین نے انکار کر دیا۔

ان حالات کے باوجود ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو حضرت امیر شریعت سید
 قطار اللہ شاہ بخاری کی معیت میں لاکھوں مسلمان قادیان میں پہنچے اور یہ
 کانفرنس ایک سیکھ کی زمین پر منعقد کی گئی۔

تین دن کے مسلسل اجتماع میں ہر خیال، ہر مکتبہ فکر کے رہنماؤں
 نے ختم نبوت کے موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ نیز حضرت امیر شریعت
 نے سات گھنٹے تک برطانیہ کے خود کاشتہ پودے کی پتیاں اس
 طرح بکھیریں کہ اس کے مالی کو پودے کی حفاظت کا شدت سے احساس
 ہوا۔ چنانچہ قانون ساز کی حرکت میں آیا اور شاہ جی پر دفعہ ۵۲ کے تحت
 مقدمہ دائر کیا گیا۔

کئی ماہ کی جدوجہد کے بعد گورداسپور کے اے ٹی ایم نے شاہ جی
 کو چھ ماہ کی سزا دی۔ اس سزا کے خلاف سشن جج مسٹر جی ٹی کھوسلہ
 کی عدالت میں اپیل کی گئی جس کا فیصلہ فاضل سیشن جج نے جون ۱۹۳۵ء
 کو سنایا۔

جانباز ہوزا

مدیر ماہنامہ تبصرہ۔ لاہور

۴۔ مارچ ۱۹۳۳ء

ہیں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دستخط میرے ہیں
 گواہ استغاثہ نمبر ۲

اں کا رین کا پی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے ہیں
 گواہ استغاثہ نمبر ۳

کاغذات کی اہمیت کا علم ہے کہ یہ کاغذات کیوں پھاڑے
 جیسٹس رام لال

لاہور ۱۱ مارچ۔ آج لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژنل جج پرستیس
 چیف جیسٹس سر ڈگلس نینگ اور رائے بہادر جیسٹس رام لال کے سامنے
 سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) سڈیشن

دفعہ ۱۵۳ ملک معظّم کی رعایا کے مختلف طبقوں میں منافرت پھیلانے۔ دفعات ۳۲-۱۱۷ تعزیرات ہند (قتل کی انجیخت) وغیرہ الزامات میں مقدمہ پیش ہوا۔

شاہ صاحب سنٹرل جیل سے ہائی کورٹ میں بذریعہ مرٹر حاضر ہوئے تو جمع شاہ صاحب کو بیٹابی سے دیکھنے کے لیے شاہ صاحب کی طرف دوڑا۔ اور شاہ صاحب زندہ باد۔ مجلس احرار زندہ باد کے نعروں سے ہائی کورٹ گونج اٹھا۔ شاہ صاحب کو ہتھکڑی کے بغیر عدالت میں پیش کیا گیا۔ کمرہ عدالت حاضرین، وکلار اور پولیس کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔

داخلہ پاس کے ذریعے بھٹا۔ سینکڑوں لوگ پاس نہ مل سکنے کی وجہ سے عدالت کے صحن ہی میں کھڑے تھے۔ کمرہ عدالت اور صحن میں پولیس کا کڑا پیرہ تھا۔ سرکار کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈوکیٹ جنرل اور مسٹر منیر ایڈوکیٹ جنرل اور ملزم کی طرف سے میاں عبدالعزیز، دیوان چمن لال، ہسٹ کے اہل گابا، بایر سٹر اور مسٹر بدیع الاسلام ایڈوکیٹ، سہ عبدالقیوم وکیل لائل پور رپورڈ کار تھے۔

مقدمے کے واقعات

شاہ صاحب کے خلاف اس مقدمے کی سماعت شروع میں لاکھنؤ داس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی جس نے تقریر کی

بنا پر مقدمہ چلا گیا وہ سید عطار اللہ شاہ بخاری نے ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو
للہ موسیٰ میں کی گئی بیان کی جاتی ہے۔

استغاثہ کا بیان تھا کہ شاہ صاحب نے جس جلسے میں تقریر کی وہ گرانڈ
ٹرینک روڈ کے نزدیک ہوا اور اس میں چارپانچ سو آدمی موجود تھے لہذا رام
کانسٹبل نے شاہ صاحب کی تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے۔ اس نے
ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج مسٹر بیٹ کی عدالت میں بیان دیا کہ شاہ صاحب پر وزیر اعظم
پنجاب اور ان کے پرسنل اسٹنٹ کی ہدایات پر چھوٹا مقدمہ بنا گیا ہے۔

۱۳۔ فردری کو ایڈوکیٹ جنرل مسٹر سلیم نے ہائی کورٹ میں درخواست دی
کہ اس مقدمے کو ہائی کورٹ میں منتقل کیا جائے۔ کیونکہ لہذا رام گواہ استغاثہ
نے وزیر اعظم کو جولا اینڈ آرڈر کے اخراج میں اس مقدمے میں پھنسانے کی
کوشش کی ہے۔ کسی عدالت ماتحت پر اس معاملے کا فیصلہ نہیں چھوڑ دینا
چاہیے چنانچہ جسٹس اسکیمپ نے درخواست کی سماعت کے بعد مقدمہ
ہائی کورٹ میں منتقل کر دیا۔

از سر نو سماعت

م شروع میں اس امر پر بحث ہوئی کہ مقدمہ کی سماعت از سر نو کی چاہئے
ایڈوکیٹ جنرل کے دلائل سننے کے بعد چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے
دریافت کیا کہ انھیں مقدمہ کی از سر نو سماعت پر کوئی اعتراض ہے؟ میاں

عبدالعزیز نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ مقدمہ کی سماعت از سر نو
اشروع کر دی گئی۔

پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت
سب سے پہلے سردار بھگت سنگھ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت قلمبند
کی گئی۔ جس نے کہا:

یہ مقدمہ گورنمنٹ پنجاب کے حکم پر چلایا گیا ہے۔ گورنمنٹ کا حکم میرے پاس
موجود ہے۔ گواہ نے ایڈوکیٹ جنرل کے کہنے پر حکومت پنجاب کا حکم قائل ہے
نکال کر دکھایا۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے کہا:

تقریر کے وہ حصے پیش کیے جائیں جو قابل اعتراض ہیں۔
مسٹر سلیم نے کہا: اس گواہ کا بیان اور لدھارام گواہ کا بیان بیک وقت
لیا جائے کیونکہ جن دو اہم نکات پر مقدمے کا دار و مدار ہے وہ ان دونوں
گواہوں کے بیانات سے متعلق ہے۔ مسٹر سلیم نے کہا کہ ابھی تک لدھارام پر
سمنوں کی تعمیل ہی نہیں ہوئی۔

اس پر چیف جسٹس نے کہا: کہ اس گواہ کا بیان قلم بند کر لیا جائے اور جب
لدھارام کا بیان ہو گا تو گواہ پر مکرر حرج ہو سکتی ہے۔
مسٹر سلیم کے سوال پر گواہ نے بیان کیا:

مجھے یاد ہے کہ لدھارام نے عدالت ماتحت میں یہ بیان دیا تھا کہ شاہ صاحب

کی تقریر کی اصل شارٹ ہینڈ نوٹ بک جلادی گئی ہے۔ مگر اس میں بالکل صداقت نہیں ہے۔

جرح

اس کے بعد میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کی
سوال: آپ کب سے کب تک گجرات میں پراسیکیوٹنگ سہ انسپکٹر رہے؟
جواب: اپریل ۱۹۳۷ء سے جنوری ۱۹۴۰ء تک۔

سوال: جب اس مقدمے میں لدھارام کا بیان ہوا تو آپ استغاثہ کی طرف سے پیر وکار تھے؟

ج: ہاں میں پبلک پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے ساتھ پیر وکار تھا۔
س: آپ نے لدھارام کے بیان کے ابتدائی چند فقرات کے بعد کہا تھا کہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔

ج: ہاں۔

س: کیا آپ ۸ جنوری کو وزیر آباد سے گجرات گئے تھے؟

ج: ہاں۔

س: کیا ۸ جنوری کو آپ کسی جگہ لدھارام کو ملے؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو گجرات میں تھے؟

ج: نہیں، میں دہلی میں تھا۔

س: آپ کب دہلی گئے تھے، کتنے دن رہے اور کب گجرات واپس آئے؟

ج: ۲۲۔ دسمبر کو دہلی روانہ ہوا۔ ۲۵۔ دسمبر کو دہلی پہنچا۔ ۵ دن دہلی رہا

اور ۲۹۔ دسمبر کو مشام کے ۶ بجے دہلی سے سندھ آکھیں پس میں روانہ ہو کر دوسرے

دن یعنی ۳۔ دسمبر کو بارہ بجے کے قریب واپس گجرات پہنچا۔

س: کیا آپ کسی سرکاری کام سے دہلی گئے تھے؟

ج: نہیں میں خفستیں گزارنے دہلی گیا تھا۔

س: کیا آپ نے ان دنوں سپرنٹنڈنٹ پولیس یا کسی دوسرے اعلیٰ افسر کو

اپنی غیر حاضری یا سٹیشن چھوڑنے کے لیے اجازت کی درخواست دی۔

ج: میں نے زبانی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا تھا اور یہی دستخط ہے۔

س: کیا آپ کی گجرات سے غیر حاضری کا کوئی ریکارڈ سرکاری یا غیر سرکاری

موجود ہے؟

ج: سرکاری ریکارڈ کوئی نہیں۔ میں دہلی میں کارونیشن ہوٹل میں بھٹرا۔

دہلی میں نے ہوٹل کے چھپے ہوئے نام پڑکیے تھے۔

س: کیا آپ کے پاس اس ہوٹل کی تحریر ہے؟

ج: ہوٹل کے تمام بل میرے پاس موجود ہیں۔

س: آپ نے اب تک یہ سارے بل اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہیں؟

ج: پہلے میں نے ان بلوں کو پھاڑ دیا تھا مگر لدھارام کے بیان کے بعد ان کو رکھ چھوڑا۔ اور عدالت میں پیش کیا۔

س: جب ۲۹ تاریخ کو آپ نے ہوٹل والوں کا حساب چکایا تو اسی وقت بل پھاڑ دیے۔

ج: نہیں، بلکہ گجرات پہنچ کر، مگر مجھے یاد نہیں کہ کس تاریخ کو یہ بل پھاڑے۔

س: کیا آپ لدھارام کے بیان کی تردید کے لیے ان بلوں کو بھی تھما لائے ہیں؟

ج: ہاں، کیونکہ مجھے خیال تھا کہ شاید مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔

س: آپ دوسرے ہوٹلوں میں بھی بٹھرتے رہے ہوں گے۔ کیا ان کے بل بھی اپنے پاس رکھ چھوڑتے ہیں یا پھاڑ ڈالتے ہیں؟

ج: مجھے یاد نہیں کہ میں کسی ہوٹل میں ایک دن سے زیادہ عرصہ ٹھہرا ہوں۔

س: کیا آپ نے کسی اور ہوٹل کا بل اپنے پاس نہیں رکھا؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ نے متذکرہ بل یکم جنوری سے ۲ جنوری تک کسی دن پھاڑ

ج: مجھے یاد نہیں۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ یہ سوال کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے کہا: کیونکہ ۱۱ جنوری کو لدھارم کا بیان ہوا اور اس سے پیشتر گواہ کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ مقدمے میں بھول کی ضرورت پڑے گی۔ (گواہ سے) جب آپ نے بل پھاڑے تو ان کو کہاں پھینکا؟

ج: میں نے ان کو میز پر رکھے ہوئے ردی کاغذوں کے ساتھ رکھ دیا۔
س: کیا آپ کے پاس ردی کی ٹوکری نہیں ہے؟
ج: میرے مکان پر ردی کی ٹوکری نہیں ہے۔
س: ان کاغذات کو جنہیں آپ غیر ضروری سمجھ کر پھاڑ دیتے ہیں کیا کیا کرتے ہیں؟

ج: میں انہیں باہر پھینک دیتا ہوں یا جلادیتا ہوں۔
س: آپ نے جس دن وہ کاغذ پھاڑے تو وہ اور دوسرے غیر ضروری کاغذ تک آپ کی میز پر پڑے رہے؟
ج: میں نے ان بھول کو رکھ لیا اور باقی کاغذ پھینک دیے۔
چیف جسٹس: آپ نے یہ کاغذ کیوں رکھ لیے؟
گواہ: اس لیے کہ لدھارم نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں اس سے ۲۸۔ دسمبر کو ملا۔

میاں عبدالعزیز: لدھارام کا بیان: "جنوری سے پہلے نہیں ہوا۔ اور
"جنوری سے پہلے آپ اس سے ملے ہی نہیں؟

ج: ہاں وہ اس عرصے میں مجھ سے نہیں ملا۔

س: آپ کے پھٹے ہوئے بل کہاں تھے؟

ج: میرے ٹرنک میں پڑے رہے۔

س: آپ جن کا غز دل کو پھاڑ دیتے ہیں اسی روز بھینک دیتے ہیں؟

ج: جی ہاں اسی روز۔

س: جب: "جنوری کو گجرات سب جیل میں لدھارام کا بیان ہوا اسی روز

پانچ بجے شام آپ اس سے ملے؟

ج: ہاں میں اس کے مکان گیا۔

س: آپ نے کہا ہے کہ لدھارام کے بیان کے بعد ان بلوں کو پھاڑا

اور پھر رکھ دیا۔

ج: ہاں مجھے خیال آگیا کہ یہ ضروری نہ ہوں۔

س: جسٹس رام لال: جب آپ کو لدھارام کے بیان کے بعد معلوم ہوا کہ

یہ کاغذات اہم ہیں تو پھر آپ نے انہیں کیوں پھاڑ ڈالا؟

ج: جب میں کاغذات کو پھاڑ رہا تھا تو مجھے ان کی اہمیت کا خیال آیا۔

چیف جسٹس: "جنوری تک یہ بل آپ کے ٹرنک میں پڑے رہے اور

لدھارام کے بیان کے بعد پانچ بجے شام گھر جا کر انھیں بھاڑ دیا؟
 ج: میں نہیں کہہ سکتا کہ اسی روز بلوں کو بھاڑ آیا دوسرے دن!
 س: لدھارام کب تک آپ کے ماتحت کام کرتا رہا۔
 ج: وہ میرے ماتحت نہیں بلکہ تھانہ میں بطور کانسٹیبل کام کرتا تھا۔
 س: کیا لدھارام یا دوسرے رپورٹر آپ کو رپورٹ دیا کرتے تھے؟
 ج: نہیں۔

س: آپ نے ۲۸۔ دسمبر کو لدھارام کو مزید رخصت دی؟
 ج: نہیں۔ میاں عبدالقادر سپرنٹنڈنٹ نے دی تھی۔
 مسٹر سلیم: کیا آپ وہ بل لائے ہیں؟ اگر لائے ہیں تو وہ پیش کریں۔
 گواہ نے پانچ بل پیش کیے۔

دوسرے گواہ کا بیان

اسکے بعد سید مقبول حسین کانسٹیبل کا بیان ہوا جس نے کہا کہ ۲۸۔ جون ۱۹۳۹ء کو میں لالہ موسیٰ میں سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے کے لیے گیا جبکہ لاری اسٹینڈ کے نزدیک ہوا میرے ساتھ دو کانسٹیبل اور تھے۔ میں سید عطار اللہ شاہ کو جانتا ہوں وہ عدالت میں موجود ہیں۔ سید بخاری نے اپنی تقریر میں انگریزی حکومت بدلنے کے متعلق کہا تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ

کہ یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ ہماری بہنوں اور لڑکیوں کی شادی کے لیے قانونِ محمدی کو زیرِ غور نہیں لایا جاتا۔ انہوں نے خاکسارِ تحریک کے بانی علامہ مہترقی کے ساتھ گورنمنٹ کے تعلقات کے متعلق بھی کہا۔ تقریر اُردو اور پنجابی میں ملی جلی تھی۔

لدھارم نے تقریر کے نوٹ لیے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو پڑھ کر سنائے اور ہمارے دستخط لیے۔ گواہ کو شارٹ ہینڈ بک دکھائی گئی اور اس نے اپنے دستخط شناخت کیے۔ ہم پھر بتانے گئے اور لدھارم شارٹ ہینڈ سے مفصل تقریر کھنکھنے لگا۔ اس نے تقریر کھنکھنے کے بعد مجھے پڑھ کر سنائی اور اس پر بھی میرے دستخط لیے۔ اس نے کاربن رکھ کر رپورٹ کی کئی کاپیاں تیار کیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کاربن کاپی جو میرے دستخط ہیں وہ واقعی میرے ہی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ نوٹ بک پر لانگ ہینڈ ترجمہ کیا گیا۔ جب رپورٹ تیار ہو گئی تو دوسرے دن ۲۹ دسمبر کو بذریعہ ڈاک متعلقہ افسروں کے پاس بھیج دی گئی۔ جلسے میں کوئی چار ساڑھے چار سو کے قریب آدمی تھے۔ گواہ کو رپورٹ دکھائی گئی اس نے شناخت کی یہ لدھارم کی لکھی ہوئی ہے۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کرتے ہوئے پوچھا آپ کب سے پولیس

میں ملازم ہیں۔؟

ج: ۱۹۲۳ء سے۔

س: کیا آپ کو پہلے بھی کسی جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے؟

ج: کسی دفعہ۔ مگر بطور ڈیوٹی یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔

س: کیا اس جلسے کی شرکت کے لیے آپ کو کوئی حکم ملا؟

ج: کوئی حکم نہیں ملا۔

س: پھر آپ اس جلسے کے علاوہ کسی اور جلسے میں شامل ہوئے؟

ج: اس جلسے میں جس میں منشی احمد دین نے تقریر کی۔

س: یہ جلسہ کب اور کہاں ہوا؟

ج: بخاری صاحب کے جلسے کے بعد ممیٰ میں غلہ منڈی لالہ موسیٰ میں۔

س: جس روز سیّد عطار اللہ شاہ والا جلسہ ہوا اس روز کوئی اور بھی

جلسہ ہوا؟

ج: ہاں اسی روز راستہ کو ایک اور جلسہ ہوا جس میں میں نہیں گیا۔

س: کیا لدھارام اس جلسے میں موجود تھا؟

ج: ہاں وہ اس جلسے میں بھی موجود تھا۔

س: جن چار پیشیوں پر سیّد عطار اللہ شاہ کا مقدمہ پیش ہوتا رہا آپ چاروں

گوواہ حاضر ہوتے رہے

ج : ہاں۔

لنچ کے بعد

لنچ کے بعد بھی سید مقبول حسین پر میاں عبدالعزیز نے جرح جاری رکھی۔
 میں جب مختلف پیشیوں پر آپ چاروں گواہ اکٹھے ہوتے تھے تو
 آپس میں سید عطار اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے؟
 ج : ہاں۔

میں : کیا تم ایک دوسرے کو یہ بھی یاد دلاتے تھے کہ شاہ صاحب نے
 فلاں بات کی ہے اور فلاں نہیں؟

ج : ہاں۔ ہم ایک دوسرے کو تقریر کے متعلق یاد دہانی کرا کرتے تھے۔
 میں : اگر کسی کو تقریر کا کوئی حصہ بھول جاتا تو آپ ایک دوسرے کو یاد
 کرایا کرتے تھے۔

ج : نہیں۔

میں : کیا آپ اس جلسے سے پیشتر کسی جلسے میں گئے؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

میں : کیا منشی احمد دین کی تقریر کے نوٹ لیے تھے؟

ج : تقریر لکھارام نے نوٹ کی تھی۔

س : کیا تمہیں منشی احمد دین کی تقریر کا کوئی حصہ یاد ہے ؟
 ج : ہاں مجھے یاد ہے۔ منشی احمد دین نے کہا تھا کہ ہمیں ڈر ہے تو اپنے
 بھائیوں سے ورنہ سرسکندرا در سر جھوٹورم کی گیدڑ بھبکیوں کا کوئی ڈر نہیں
 اور چند دن میں انگریز یہاں سے جاتے نظر نہیں آئیں گے۔

چیف جسٹس : یہ بالکل ٹھیک ہے انگریز یہاں سے نہیں جائیں گے۔
 س : کیا تم زید کے متعلق کچھ جانتے ہو؟ کیا زید نے حسین کو قتل کیا تھا؟
 ج : اا۔۔ یہ صحیح ہے۔

س : کوئی مسلمان پسند نہیں کرتا کہ زید نے حسین کو قتل کیا۔
 ج : نہیں پسند کرتا۔

چیف جسٹس : میرا خیال ہے کوئی مسلمان قتل کو پسند نہیں کرتا۔

س : ملزم کی تقریر کسی نے اعتراض کیا؟

ج : امیری موجودگی میں کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

س : کیا عطار اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ دوٹ
 مجھے یا میرے آدمی کو دینا۔

ج : انھوں نے یہ نہیں کہا تھا۔

س : کیا انھوں نے پرنسٹن وزارت کے خلاف بھی کچھ کہا تھا؟

ج : نہیں۔

س: کیا انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرو۔
ج: نہیں۔

س: کیا انھوں نے سرسکندر کا کوئی ذکر کیا؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا انھوں نے ٹرانوں یا نوزوں کا ذکر کیا تھا؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا انھوں نے میر خضر حیات کے متعلق کچھ کہا تھا؟
ج: ہاں۔ انھوں نے کہا تھا کہ انگریز کی جان کی قیمت تو سو روپے ہے
مگر ہندوستانی کی ۱۷۱۸۔

س: کیا میاں عبدالحی وزیر تعلیم کا کچھ ذکر ہوا؟
ج: یاد نہیں۔

س: کیا سر چیمپو ٹورم کا کوئی ذکر ہوا؟
ج: یاد نہیں۔

س: کیا شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ موجودہ وزارت زمینداروں
کا کوئی بھلا نہیں کرے گی بلکہ محض شیخی بگھارتی ہے۔

ج: یاد نہیں۔

س: کیا ملزم کی تقریر کے وقت ہندو مسلم اور سکھ موجود تھے؟

ج: ہاں۔

س: کیا کانگرس کے زیرِ اہتمام جلسہ تھا جس میں عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی۔

ج: مجھے معلوم نہیں۔

س: چیف جسٹس: اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جلسہ کس کے زیرِ اہتمام تھا اصل سوال تقریر کا ہے کہ ملزم نے قابلِ اعتراف تقریر کی۔

س: کیا ملزم نے کہا کہ سرسکند رحیات۔ احرار کو کچل رہے ہیں
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا آپ کو پتہ ہے کہ سید عطار اللہ شاہ احرار ہیں؟
ج: مجھے پتہ نہیں۔

چیف جسٹس: احرار کا کیا مطلب ہے؟

میاں عبدالعزیز: حریت و آزادی کا علمبردار۔

س: (دگواہ سے) کیا تم سب نے شارٹ ہینڈ بک پر ایک ہی سیاہی سے دستخط کیے تھے؟

ج: پینل سے دستخط کیے تھے۔

س: کیا ایسے ہی دستخط کرتے ہو جیسے ڈائری پر کیے ہیں؟

ج: میں دو تین طرح سے دستخط کرتا ہوں، سیدھے بھی اور شکستہ بھی۔

س: آپ تین مختلف طریقوں سے دستخط کیوں کرتے ہیں؟
 ج: اپنی اپنی طبیعت سے جیسے بھی ہوں مگر جعلی نہیں (تہقّقہ)
 س: تمہاری کیا تعلیم ہے؟
 ج: بیچیم یا ششم جماعت تک۔
 س: تم نے لدھارام کو ٹیلیفون کیا تھا۔ اور کہاں سے؟
 ج: کیا تھا۔ ڈاک خانہ سے۔
 س: ٹیلیفون کے لیے فوراً ادائیگی کی یا تھا نہ میں بل آیا؟
 ج: نہ میں نے ادا کیا اور نہ معلوم تھا نہ میں بل آیا۔
 س: کیا تم ٹرنک کال کو سمجھتے ہو؟
 ج: نہیں میں ٹرنک کال کو نہیں سمجھتا۔
 جسٹس رملال: اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟
 میاں عبدالعزیز: میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ نہ تو جلسے میں موجود
 تھا اور نہ اس نے لدھارام کو ٹیلیفون کیا۔
 جسٹس رملال: اگر وہ سب تم نے لالہ موسیٰ سے گجرات کو ٹیلیفون کس طرح
 کیا؟
 ج: ہم ڈاکخانہ والوں کو کہہ دیتے ہیں وہ نمبر ملا دیتے ہیں۔
 جسٹس: اس کے لیے تم کچھ ادا نہیں کرتے؟

گواہ: نہیں۔

س: تم نے تقریر کے جو فقرے بیان کیے ہیں ان میں کون سے فقرے یقین
کسی اور نے یاد کرائے؟
ج: اس طرح فقرے نہیں بتائے گئے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے کی غلطی کو
صحیح کر دیتا تھا۔

ایڈووکیٹ جنرل: کیا تم بتا سکتے ہو کہ لائیک بینڈ کاپی کے، اسے ۲۵ صفحات
تک کس کی تحریر ہے؟
ج: لدھارام کی

س: تم کتنے عرصے سے لدھارام کی تحریر جانتے ہو؟
ج: تین چار سال سے۔

س: میاں عبدالعزیز سے کیا آپ لدھارام کی تحریر کے متعلق مکرر جرح
کرنا چاہتے ہیں؟
ج: میاں عبدالعزیز۔ نہیں۔

فیروز خاں پولیس کانسٹیبل

اس کے بعد تیسرے گواہ استغاثہ فیروز خاں کا بیان ہوا۔ جس نے مسٹر سلیم
کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: میں ۲۸۔ جون کو لاہور میں جلسے میں

جس میں سید عطاء اللہ بخاری نے تقریر کی ڈیوٹی پر موجود تھا مجھے اس تقریر کا کچھ حصہ یاد ہے۔ شاہ صاحب نے سب سے پہلے تلاوت قرآن کی اور تقریر کے وہی حصے دہرائے جو گواہ ملا نے اپنے بیان میں دہرائے۔ گواہ نے مزید کہا کہ لدھارام نے میرے سامنے اس تقریر کے شارٹ ہینڈ لیے اور جلسے کے اختتام پر اس نے یہ نوٹ ہمیں پڑھ کر اور اسی جگہ ہم سے دستخط لیے گواہ نے شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط شاخت کیے۔ مزید کہا کہ جلسے کے بعد تھانے پہنچ کر لدھارام نے مفصل رپورٹ تیار کی اور پھر اس شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر بھی اس نے تقریر کی مفصل رپورٹ لکھی جس پر ہم سب نے دستخط کیے۔ اس کاربن کاپی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ان کو نقل کیا گیا کیونکہ میں سید عطاء اللہ شاہ کے پیچھے ہیرغازی چلا گیا۔

گواہ پر حرج

میاں عبدالعزیز کے جواب میں گواہ نے کہا: شاہ صاحب نے دوسرے دن ہیرغازی میں تقریر کی۔

س: کیا وہاں بھی ان کی تقریر کے نوٹ لینے کے لیے کوئی موجود تھا؟
ج: ہاں میں اور پٹواری تھے۔

س: کیا تم نے اس کی رپورٹ لی تھی؟

ج: نہیں۔ کیونکہ مقرر نے کوئی سیاسی تقریر نہیں کی تھی۔

س: پیر غازی میں جو تقریر ہوئی کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟

ج: شاہ صاحب نے پیر غازی میں کہا تھا کہ میں دہلی نہیں کھاریاں میں

میرے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط ہے۔

س: کیا تم نے ۲۰ جون سے پہلے یا بعد کسی جلسے میں شرکت کی۔

ج: نہیں۔

س: کیا لالہ موسیٰ میں شاہ صاحب کچھ ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کی؟

ج: ہاں۔

س: کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ تم آئندہ انتخاب میں ووٹ مجھے

یا میرے آدمیوں کو دینا۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا تم کو یاد ہے کہ شاہ صاحب نے یونیٹسٹ منسٹری یا وزیرانہ

کے متعلق کچھ کہا تھا؟

ج: شاہ صاحب نے کہا تھا میرا مومنین سکندر اور میرا مومنین خضر

حیات خاں بڑے آدمی ہیں۔ وہ انگلستان سے چار چار ہزار روپے کے کتے

خرید کر لاتے ہیں۔

س: کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ چاروں وزرا زمینداروں کے
خیر خواہ یا بدخواہ ہیں۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا شاہ صاحب نے کانگرس اور احرار کے متعلق کچھ کہا؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

۱۲۔ مارچ کی کارروائی

آج پھر مای کو رٹ کے ڈویژن پنج مشنل بریفنگ جسٹس سر ڈگلس ٹینگ
اور جسٹس رام لال کے سامنے سید عطار اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کی سماعت
مشرع ہوئی۔ کل کی نسبت پولیس کا انتظام زیادہ کڑا تھا۔ کمرہ عدالت کے
باہر ہزاروں آدمی پاس نہ ملنے کی وجہ سے کھڑے تھے۔

فیروز کا تسبیل پر حرج

آج بھی میاں عبدالعزیز نے فیروز خاں گواہ استغاثہ پر حرج جاری رکھی
ایک سوال کے جواب میں گواہ نے کہا جس جلسے میں سید عطار اللہ شاہ بخاری
کی تقریر ہوئی تھی میں سید عطار اللہ شاہ کی آمد سے پیشتر موجود تھا۔ رولڈ سنگھ
دفعہ دار اور غلام حسین بھی موجود تھے۔ شاہ صاحب کی تقریر سے پیشتر ہمارے

درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میاں عبدالعزیز نے گواہ کے سوال کیا :

س : کیا ۱۱۔ نومبر کو رپورٹ کی کاپی لدھارام کے پاس تھی ؟
ج : ہاں۔

س : تم کب سے پولیس میں ہو۔ کیا تنخواہ ہے اور کیا تعلیم ہے ؟
ج : ۷ مارچ ۱۹۲۲ء سے پولیس میں ہوں۔ ۲۲ روپے تنخواہ ہے اور پرائمری پاس ہوں۔

س : کیا یہ امر واقعہ ہے کہ ۲۸۔ جون ۱۹۳۹ء کو جو دستخط تمہارے کاپی پر ہیں۔ وہ تم سے نہیں کرائے گئے ؟

ج : نہیں۔ میں نے ۲۸۔ جون کو ہی دستخط کئے تھے۔
س : کیا جلسہ گاہ سے لٹھنے کے بعد تم اور لدھارام تھانے گئے ؟
ج : ہاں۔

س : کیا تقریر کی لاٹک بینڈ کاپی تمہارے سامنے لکھی گئی اور اس پر تمہارے دستخط کب لیے گئے۔

ج : ہاں میرے سامنے لکھی گئی۔ میرے دستخط ۶ اور ۷ کے درمیان لکھے گئے
س : تم کتنے طریقوں سے دستخط کرتے ہو ؟
ج : میرے دستخط پختہ نہیں۔

س: کیا تم دو تین طریقوں پر دستخط کرتے ہو؟

ج: ہاں دو تین طرح کر سکتا ہوں۔

س: جس دن اسے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں مختار ابیان ہوا کیا ہیڈ کانسٹبل مقبول حسین کمرہ عدالت کے باہر موجود تھا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا تم مقدمے کے چاروں گواہ مختلف پیشیوں پر شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے؟

ج: ہاں۔ لیکن ہم صرف بحث کرتے تھے اور تقریر کے متعلق ایک دوسرے کی غلطیاں درست نہیں کرتے تھے۔

سبکپڑنے کی پوچھ

س: کیا اس مقدمے کی سماعت کے دوران کبھی سردار بھگت سنگھ

سبکپڑنے تمہیں بلایا؟

ج: پیشی کی تاریخوں میں ہم اس کے ساتھ ہوتے تھے۔

س: کیا اس نے شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق تم سے کچھ پوچھا؟

ج: ہاں۔ اور ہم نے اس کو بتایا کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں فلاں فلاں بات کہی تھی۔

س : کیا بھٹیس شاہ صاحب کی ۲۸۔ جون کی تقریر کے متعلق سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے پیش کیا تھا۔

ج : نہیں۔

س : لالہ موسیٰ کے اس جلسے میں شاہ صاحب کے علاوہ حاضرین میں سے کسی اور کا نام یاد ہے۔

ج : ہاں۔ شیخ عبدالعزیز صدر کانگرس کمیٹی لالہ موسیٰ۔ عبدالقیوم آت لالہ موسیٰ۔ منشی غلام رسول اور انڈین ٹھیکیدار وغیرہ۔
س : کیا مذکورہ بالا معرزین کو بھی تھانے میں بلا لیا گیا؟
ج : مجھے یاد نہیں۔

رلدو سنگھ دفعدار کا بیان

چوتھے گواہ استغاثہ رلدو نے اپنے بیان میں کہا :

میں ۲۸۔ جون کو لالہ موسیٰ کے اس جلسے میں موجود تھا۔ جس میں شاہ صاحب نے تقریر کی۔ شاہ صاحب نے حاضرین سے پوچھا کہ ۱۹۵۷ء میں ہندوستان کے تحت پر کون بیٹھا تھا۔ حاضرین نے کہا بہادر شاہ۔ شاہ صاحب نے کہا تھانے کے قیدیوں کے بارے میں حکومت نے اور وہ واپس لیں (مہتممہ) چیف جسٹس نے اڈووکیٹ جنرل سے کہا کہ وہ اس فقرے

کا ترجمہ کر کے سنائیں۔ ملکو حبشٹس رام لال نے خود ترجمہ کر کے سنایا،
Muslims Have lost the Government,
it is regrettable if get it back.

اس پر عدالت میں پھر متنبہ ہو گیا۔

حبشٹس رام لال: تم نے کیا کہا ایک بار پھر دہرائو؟
 گواہ: میں نے کہا تھا کہ امتوں سے حکومت مسلمانوں سے چھین گئی افسوس
 ہے کہ اب وہ پھر واپس لیں۔

مسٹر سلیم: مائی لارڈ! گواہ اس تقریر کے معنی نہیں سمجھتا۔

حبشٹس رام لال: مہنگو وہ خود کہہ رہا ہے۔

میاں عبدالعزیز: جناب عالی یہ الفاظ ریکارڈ پر آجائیں۔

حبشٹس رام لال: گواہ سے کیا ملزم نے اس پر بھی امتوں کیا کہ مسلمان

اپنی حکومت واپس لیں۔

گواہ: ہاں جناب۔ اس نے ہی کہا تھا۔

چیف حبشٹس: اور بتاؤ شاہ صاحب نے اور کیا کہا؟

گواہ: شاہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ نارتھ دائروں نے یہ بات غلط لکھی ہے۔

کہ عالمگیر اورنگ زیب ہندوؤں کے جسموں سے ہر روز سوا من جینو اتارا کرتا

تھا وغیرہ وغیرہ۔

مسٹر سلیم: اور کیا کچھ کہا؟

ج: اور کچھ نہیں مجھے یاد نہیں رہا۔

مسٹر سلیم: تم نے ابھی کہا یہ کہ شاہ صاحب نے کہا تھا کہ منسوس جسے نشان
اپنی حکومت واپس لیں اس سے تمھاری کیا مراد ہے اس کا مطلب کیا ہے؟
چیف جسٹس: مسٹر سلیم آپ یہ سوال کیوں کرتے ہیں۔ گواہ نے ہمارے
سوال کرنے پر دوبارہ کہا ہے۔

مسٹر سلیم: مافی لارڈ گواہ اس کا مطلب بیان کر دے تو معاملہ صاف
ہو جائے گا۔ گواہ سے اچھا تو بتاؤ شاہ صاحب نے جب اپنی تقریر میں یہ
فقہے کہے تو تم نے اس کا کیا مطلب سمجھا۔
گواہ: شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں سے حکومت چھینی
گئی ہے اب انھیں واپس لینی چاہیے۔

گواہ نے مزید بیان کیا کہ لدھارام نے تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے
جلے کے خاتمے پر پڑھ کر سنائے اور اس پر ہمارے دستخط لیے۔ گواہ نے شارٹ
ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط ساخت کیے ہم مزید کہا کہ لدھارام نے تھانے میں
جا کر ایک اور کاغذ پر ملزم کی مفصل تقریر لکھی اور ہمارے دستخط لیے۔

گواہ پر حرج

میاں عبدالعزیز کی حرج کے جواب میں رولڈ سنگھ نے کہا کہ میں پندرہ

سولہ سال سے دمقدار ہوں اور ۱۹ روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہوں۔ میں پولیس کے ماتحت کام نہیں کرتا۔ میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر تم نے اے ڈی ایم کی عدالت میں کہا ہے کہ میں پولیس کے ماتحت ہوں۔

چیف جسٹس: یہ سوال پوچھنے کا کیا فائدہ سب کوئی جانتا ہے کہ چوکیداروں کا پولیس سے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

جسٹس رام لال: ہاں علی طور پر تو تعلق ہوتا ہے (ہتھیہ)

میاں صاحب: مائی لارڈ! میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹا ہے اور اس کے بیان پر افسانہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی گواہ نے اسی مقدمے میں جو شہادت اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں دی اس میں اس کے برعکس بیان دیا۔ (یہ فقرہ میاں صاحب نے انگریزی میں کہا)

چیف جسٹس: آپ یہ سوال پوچھ سکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) تو بتائیے بھائی صاحب آپ پولیس کے

ماتحت ہیں یا نہیں؟

ج: میں پولیس کے ماتحت نہیں ہوں۔

س: کیا تم کبھی پولیس کی طرف سے مقدمات میں پیش ہوتے رہے؟

ج: مجھے کچھ یاد نہیں

حبش رمل لال؛ کیا تم نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی؟
ج: ہاں دی ہے مثلاً ایک شہزادہ آزاد کے مقدمے میں دوسری منشی
احمد دین کے مقدمے میں۔

میاں عبدالعزیز؛ کیا تمہاری یہ شہادتیں گزشتہ پچاس ماہ میں ہوئی تھیں؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

چیف جسٹس؛ کیا احمد دین کے مقدمے کے سوا اور بھی کسی مقدمے میں گواہی
دو تین ماہ میں شہادت دی ہے۔
ج: مجھے یاد نہیں۔

چیف جسٹس؛ یاد نہیں کا کیا مطلب؟
ج: جناب میں نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی۔
مسٹر سلیم؛ یاد کر کے بتاؤ۔
ج: ہاں شہزادہ آزاد کے مقدمے میں شہادت دی تھی۔

شہزادہ آزاد کی تقریر

س: شہزادہ آزاد نے کہاں تقریر کی تھی اور کب؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا پچھلے دو تین ماہ میں آپ نے تین چار مقدمات میں شہادتیں دیں؟

ج: میں نے شاہ صاحب کے مقدمے کے سوا کسی میں بھی شہادت
نہیں دی۔ شہزادہ آزاد اور ششی احمدین کے مقدمے میں شہادت
نہیں ہوئی۔

س: شہزادہ آزاد کی تقریر اسی دن کسی جلسے میں ہوئی تھی کہ نہیں
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: شہزادہ آزاد کی تقریر کے موقع پر کیا لدھارام پولیس رپورٹ
نے نوٹ لے لیے تھے؟

ج: ہاں۔

س: جس روز شاہ صاحب کی تقریر ہوئی کیا یہ درست ہے کہ
اس روز آپ کے دستخط دو کاغذوں پر کرائے گئے۔

ج: ہاں دو کاغذوں پر کرائے گئے کسی تیسرے پر نہیں۔

س: کیا تم نے اسے ڈی ایچ ایم کی عدالت میں بیان دیا تھا کہ میں نے
تھانے میں صرف دستخط کیے تھے۔ ایک شارٹ ہینڈ نوٹ ایک جو جگہ
میں تیار کی گئی تھی، اور دوسرے اس رپورٹ پر جو لدھارام نے تھانہ
میں تیار کی تھی۔ ج: ہاں یہ صحیح ہے۔

گواہ کے اپنے دستخط

س: کیا یہ دستخط آپ کے اپنے ہاتھوں سے ہیں؟

چیف جسٹس : اس سوال کی کیا ضرورت ہے ؟
 میاں عبدالعزیز (انگریزی میں) : مافی لارڈ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں
 کہ یہ دستخط اس گواہ کے اپنے نہیں۔
 چیف جسٹس : گویا جعلی ہیں۔

میاں صاحب : جی جناب والا ! (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے
 ہیں کہ اصل شارٹ ہینڈ نوٹ پر اور تفصیلی لائننگ ہینڈ پر نوٹ دونوں
 پر آپ کے دستخط ہیں۔ (گواہ کو دونوں کا غذات دکھائے گئے تو اس نے
 کہا کہ پہلے کا غز پر میرے ہی دستخط ہیں۔ مگر دوسرے پر جو دستخط ہیں ان
 میں "بقلم خود" والا حصہ میرا نہیں۔ مجھے اس میں شک ہے۔
 س : اور آپ کا نام اپنا لکھا ہوا ہے۔
 ج : جی ہاں میرا لکھا ہوا ہے۔
 س : کیا دوسرے کا غز پر جو دستخط ہیں وہ کاربن پیر کی کاپی لگی گئی ہے
 کہ نہیں۔

ج : مجھے یاد نہیں۔
 س : ان دونوں دستخطوں میں فرق ہے کہ نہیں ؟
 ج : میں نہیں کہہ سکتا۔
 س : آپ کتنے طریقوں میں دستخط کر سکتے ہیں ؟

ج: میں دو تین جماعتیں پڑھا ہوا ہوں۔
 س: میں یہ پوچھتا ہوں آپ کتنے طریقوں سے دستخط کیا کرتے ہیں
 ج: تین طریقوں سے۔

چیف جسٹس: اس سوال کا کیا مقصد ہے؟
 میاں صاحب: میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ جھوٹے ہیں،
 ان کے دستخط جعلی ہیں۔ یہی مقدمہ ہے کہ اس میں گواہ ایسے ہیں جو مختلف
 طریقوں سے دستخط کرتے ہیں۔

چیف جسٹس: لیکن جعلی ہوں تو مقصد پورا نہیں ہوتا، پولیس کو کیا
 ضرورت ہے کہ ان گواہوں کے دستخط جعلی بنائے کیونکہ گواہ ہر وقت
 اسے مل سکتے ہیں۔

میاں صاحب: مگر جناب عالی گواہ لالہ موسیٰ کا ہے اور پولیس نے
 مقدمہ گجرات میں تیار کیا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ گواہ ہمسایہ ہو سکا ہو۔
 جسٹس رام لال: گجرات اور لالہ موسیٰ میں کتنا فاصلہ ہے؟
 میاں صاحب: دس بارہ میل کا ہو گا مگر ممکن ہے کہ گواہ حاضر نہ
 ہو سکا ہو۔ اور پولیس نے جعلی دستخط کر لیے ہوں۔

چیف جسٹس: آپ اس کو لبانہ کریں، کچھ اور پوچھیں۔
 میاں عبدالعزیز: بہت اچھا جناب۔ (گواہ سے) ہاں بھائی صاحب

آپ نے ان کاغذوں پر جو دستخط کیے ہیں وہ پراسیکیوٹر جنرل انکسپکٹر سردار بھگت سنگھ کے مکان پر کیے۔

ج: یہ درست نہیں۔ میں نے دستخط تھانے میں کیے۔
س: کیا غلام حسین سفید پوش آپ کے جلسے میں پہنچنے سے پہلے موجود تھا یا نہیں؟

ج: وہ پہلے ہی سے جلسے میں موجود تھا۔
س: کیا لدھا رام بھی جلسے میں پہلے ہی سے موجود تھا۔
ج: میرے پہنچنے کے بعد وہ پہنچا تھا۔
س: کیا شاہ صاحب جلسہ گاہ میں آپ کے پہنچنے سے پہلے موجود تھے؟

ج: نہیں۔ شاہ صاحب قرآن پاک کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔
س: آپ جلسہ گاہ میں کب پہنچے تھے۔
ج: ایک بج چکا تھا۔

س: ایک بجے سے چار بجے تک کیا ہوتا رہا۔
ج: ایک بجے سے چار بجے تک لوگ جمع ہوتے رہے۔ جب جمع رہا وہ ہو گیا تو شاہ صاحب نے قرآن شریف پڑھنے کے بعد تقریر شروع کی۔
س: آپ نے کہا کہ میرے پہنچنے سے پیشتر شاہ صاحب جلسے میں کھڑے

قرآن شریف کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیس بجے سے چار بجے تک ملازم دیں رہا اور لوگوں سے بائیں کرتا رہا۔
ج: یہ درست ہے۔

تقریریں زیمروں کا ذکر

اس کے بعد گواہ پر شاہ صاحب کی تقریر کے مضمون کے متعلق طرح ہوئی جس کے دوران میں اس سے میاں عبدالعزیز نے پوچھا۔
س: سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر میں... چیف جسٹس: شاہ صاحب کا نام نہ لیں۔

میاں صاحب: بہت اچھا جناب: (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں انتخاب کا بھی ذکر کیا تھا۔
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا اس نے وزارت کے متعلق کچھ کہا تھا؟
ج: وزارت کیا ہوتی ہے؟
س: کیا آپ جانتے ہیں کہ پنجاب میں سرسکندر کی وزارت ہے۔
یعنی وہ وزیر ہیں۔

ج: اہاں وزیر ہوتے ہیں مگر مجھے معلوم نہیں کہ سرسکندر کون ہیں؟

س: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں؟

ج: وہ بڑے آدمی ہیں مجھے ان کا پتہ نہیں۔

س: کیا تم نے ان کا نام سنا ہے؟

ج: ہاں سنا ہے۔

س: کیا سر جھوٹورام اور میر خضر حیات کا نام بھی سنا ہے کہ نہیں؟

ج: میں نہیں جانتا۔

س: جسٹس رام لال، کیا آپ نے سر جھوٹورام کا نام نہیں سنا، کیا

تم جانتے ہو نہ کون ہیں؟

ج: میں نہیں جانتا وہ کون ہیں؟

س: کیا شاہ صاحب نے کہا تھا موجودہ وزارت کچھ کام نہیں کرتی

اچھی نہیں، اسے بدل دیا جائے۔

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا لازم نے احرار یا کانگرس کے متعلق کچھ کہا تھا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا تم جانتے ہو کہ احرار کون ہوتے ہیں؟

ج: میں نہیں جانتا۔

س: کیا تم "احرار یوں کو جانتے ہو؟

ج: ہاں یہ "احرار" میں جانتا ہوں۔
 س: یہ جسکس نے متفق کیا تھا؟
 ج: کانگریسوں نے۔

ایک اور گواہ غلام حسین سفید پوش کا بیان

اس کے بعد استغاثہ کے ایک اور گواہ غلام حسین سفید پوش کی شہادت ہوئی۔ یہ ایک خوش پوش نوجوان تھا، آجکے اور طرے دار پگڑی پہنے ہوئے تھا۔ اس سے مسٹر سلیم سرکاری وکیل نے کہا کہ تم ہی جلسے میں موجود تھے جس میں سید قطار اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں موجود تھا۔

مسٹر سلیم: شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا وہ عدالت میں بیان کر دو۔

گواہ: پہلے شاہ صاحب نے پوچھا کہ شہادت میں دہلی کے تخت پر کون حکمران تھا؟

حبش رام لال: کس سے پوچھا؟

ج: لوگوں سے پوچھا۔ جنہوں نے جواب دیا کہ عالمگیر شاہ عالم بادشاہ اس پر شاہ صاحب نے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کی حکومت اٹھائی تھی۔

پھین لی ہے ان سے واپس لینا چاہیے۔ یہ تقریر لالہ مراد علی خان نے کہی۔

س: تقریر کے نوٹ کون لے رہا تھا؟

ج: دھارم رپورٹر لے رہا تھا۔

س: شاہ صاحب کی تقریر کا حاضرین پر کیا اثر ہوا؟

میاں عبدالعزیز: دوسروں کے متعلق گواہ کیا جاسکتا ہے؟

س: اچھا میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ شاہ صاحب کی

تقریر کا جلسے پر کیا اثر ہوا؟

ج: لوگوں نے انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے۔

س: اس نعرے کے کیا معنی ہیں؟

ج: مجھے معلوم نہیں۔

س: اس قسم کے نعرے کب لگائے جاتے ہیں، کیا سیاسی جلسوں میں

لگائے جاتے ہیں۔

ج: ہاں سیاسی جلسوں میں لگائے جاتے ہیں؟

س: جبش رام لال نے وکلاء سے پوچھا: کہ اس نعرے کا انگریزی

ترجمہ کیا ہے کسی نے نہ بتایا تو آرنیل جج نے خود ہی کہا کہ اس کے معنی

Long Live Revolution ہی ہو سکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: گستاخی معاف مائی لارڈ! یہ ترجمہ درست نہیں۔

ٹیکنیکل ترجمہ تو یہی ہوگا کہ تبدیلی زندہ رہے۔ (انقلاب کے معنی - *Revolution* نہیں۔ یہ بالکل الگ چیز ہے۔

چیف جسٹس: سیاسی جلسوں میں ایسے نعروں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
میاں صاحب: ایسے نعروں مذہبی جلسوں میں بھی لگتے ہیں۔

چیف جسٹس: یقیناً آپ اپنے مذہب میں تبدیلی نہیں چاہتے۔
جسٹس رام لال: ہندوستان کے انتہا پسندوں کے نزدیک اس سے
کیا مراد ہے؟

میاں صاحب: آپ ناروڈ بلاک ہی کو بھیجیے وہ اس قسم کے نعروں
لگاتے ہیں۔

جسٹس رام لال: وہ لوگ ایسے نعروں لگاتے ہیں؟

میاں صاحب: مگر جناب آج تک اس نعرے پر کسی کو مجرم نہیں لگنا
گیا۔ نہ ہی کسی پر مقدمہ چلایا گیا۔ ابھی کل ہی اس عدالت کے باہر احاطے
میں سینکڑوں آدمی یہ نعرہ بلند کر رہے تھے۔

چیف جسٹس: آپ اور سوال پوچھیے۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) جلسے کے بعد لٹھارام نے جو نوٹ تقریر
کے لیے تھے اس پر آپ کے دستخط ہیں؟
ج: جی میں نے کیے تھے۔

س: آپ جلسے میں کیوں گئے تھے۔
ج: اتفاقیہ چلا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب کی تقریر مینے والی ہے۔

س: آپ تھانے میں کب گئے تھے؟
ج: تقریر ہو چکنے کے بعد لہارام نے کہا تھا کہ تھانے میں آنا دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کرانے ہیں۔ دس منٹ بعد میں وہاں گیا تھا اور دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کیے تھے۔

س: اس نئی کاپی کے نیچے کاربن پیپر رکھا گیا تھا؟
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں کانگرس کے کتے جلسے ہوئے تھے؟
ج: دو جلسے ہوئے تھے۔ پہلے جلسے ہی میں دوسرے جلسے کے ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔

س: دوسرے جلسے میں کس نے تقریر کی تھی؟ ان پر مقدمہ اسی تقریر کی بنا پر چلا گیا تھا۔ میں نے شہادت دی تھی۔

س: کیا یہ شہادت آپ نے جہلم کی عدالت میں ۱۴- اکتوبر کو دی تھی؟ ج: جی ہاں۔

س: کیا اس شہادت کے وقت آپ سے سید قطار اللہ شاہ کی تقریر

کے متعلق کچھ سوالات کیے گئے۔ میاں صاحب نے گواہ سے پوچھا کہ کیا یہ فقرے
تمہارے بیان میں سے ہیں کہ نہیں؟

ج: ہیں۔ میں نے ہی اس عدالت میں شہادت دی۔ جرح ابھی ہماری
تھی کہ عدالت لٹچ کے لیے اٹھ گئی۔

لٹچ کے بعد کی کارروائی

لٹچ کے بعد کارروائی شروع ہوئی تو کمرہ عدالت میں تل دھرنے کی جگہ
نہ رہی۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے گجرات، لالہ موسیٰ بہلہ، اولینڈی
اور بہت سے دُور دُور کے شہروں سے احراری کارکن اور دوسرے اشخاص
آئے ہوئے تھے جنہیں داخلہ کا پاس نہ ملنے کی وجہ سے مایوس ہونا پڑا۔
میاں عبدالعزیز نے علام حسین سفید پوش پر جرح جاری رکھی۔ ان کے
سوال پر گواہ نے کہا کہ میروز خاں، رلد ونگھ اور میں نے آپس میں سید
عطار اللہ شاہ بخاری کے مقدمے کے متعلق عدالت میں شہادت دینے سے
پہلے بات چیت کی تھی۔

س: کیا لدھارام بھی بات چیت میں موجود تھا۔

ج: ہاں وہ بھی موجود تھا۔

س: لدھارام کی طرف سے شاہ صاحب کی تقریر یاد دلانے سے پہلے

بھی آپ نے بات چیت کی تھی؟

ج: میں لدھارم کے آنے کے بعد آیا تھا۔

س: کیا آپ کو دہاں بلا گیا تھا؟

ج: وہ دہاں بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی وہاں آ گیا۔

س: تمہارے جانے سے پہلے اس مقدمے کے متعلق کوئی بات

چیت ہوئی تھی؟

ج: میں پہنچا تو بات چیت ہوئی۔

س: کیا لدھارم نے ۱۱ نومبر کو آپ کے سامنے ملزم کی تقریر کا کوئی

نوٹ یا کاغذ پڑھ کر سنایا؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ سب نے فیصلہ کیا تھا کہ تقریر کا کون سا حصہ آپ الگ

الگ یاد کریں گے۔

ج: لدھارم نے بتایا تھا کہ کون کونسا حصہ یاد کرے۔

س: کیا اس نے بتایا کہ ۱۵ نومبر میں ہندوستان کا کون بادشاہ تھا،

اور لوگوں نے کہا بہادر شاہ۔

ج: وہ ساری تقریر پڑھ کر سناتا گیا اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں۔

س: جب تک لدھارم نے ۱۱ نومبر کو یہ تقریر پڑھ کر نہیں سنائی، کیا آپ

اس بیان کے سوا جو آپ نے جہلم میں مسٹر سعد اللہ مسٹر کٹ مچیسٹر کی عدالت میں دیا تھا کچھ اور یاد تھا۔

ج: نہیں۔ لہذا رام کے بتانے پر ہی مجھے یہ معلوم ہوا۔
 س: کیا آپ نواب فضل علی ایم۔ ایل۔ اے گجرات کو جانتے ہیں؟
 ج: جانتا ہوں، وہ میرے رشتہ دار ہیں۔
 س: کیا ان کا لڑکا آپ کا دوست ہے؟
 ج: نہیں۔

س: کیا وہ آپ کا رشتہ دار ہے؟
 ج: ہاں رشتہ دار ہے (حقیقہ)
 س: کیا آپ گجرات جاتیں تو اس کے لڑکے کے پاس ٹھہرتے ہیں؟
 ج: نہیں، ان کا لڑکا ابنا لہ رہتا ہے۔
 س: کیا آپ ابنا لہ جاتے وقت اس کے ہاں ٹھہرتے ہیں؟
 ج: ہاں کبھی اتفاق ہو تو ٹھہرتا ہوں۔

س: کیا آپ جانتے ہیں کہ نواب فضل علی یونینٹ پارٹی کے سرکردہ ممبر ہیں
 ج: وہ یونینٹ پارٹی کے ممبر ہیں مگر میں نہیں جانتا کہ وہ سرکردہ ممبر ہیں۔

مسٹر سلیم کی درخواست

اس مرحلے پر مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے درخواست کی کہ اب ہمارے

صرف تین گواہ باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے لدھارم بھی ایک ہے مگر وہ غائب ہے اس لیے قانون کے مطابق اس کے جولوٹ عدالت میں موجود ہیں انھیں ہی اس کا بیان سمجھا جائے۔

چیف جسٹس: قانون کے مطابق یہ پوزیشن اس صورت میں قبول کی جاسکتی ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ گواہ کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ کیا سرکاری طور پر آپ کو یقین ہے کہ یوں مقدمے کو ملتوی کر دیا جائے تاکہ ملزم حاضر ہو سکے۔

مسٹر سلیم: اگر مقدمہ کے التوا کے بعد بھی حاضرتہ ہو؟
چیف جسٹس: مگر اس کا پتہ تو نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لاہور میں اپنے کسی رشتہ دار یا بذراہن کے پاس ویشنوگی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کا پتہ نکایا جائے۔ کسی کانسٹیبل کے ذریعے ایسا کیا جاسکتا ہے۔

مسٹر سلیم: وہ عدالت میں حاضری سے چشم پوشی کر رہا ہے۔
چیف جسٹس: مگر اس کا پتہ تو کنا چاہیے۔ کیا ہم ۱۵ دن کے لیے مقدمہ ملتوی کر دیں تو یہ بہت کافی ہوگی۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

عنایت اللہ سب انسپکٹر کی جرح

اس کے بعد عنایت اللہ سب انسپکٹر سی آئی ڈی گجرات کی شہادت ہوئی

گواہ نے مسٹر سلیم کے دریافت کرنے پر بتایا کہ ۲۸ جون کو شاہ صاحب نے جلسے میں تقریر کی تھی میں وہاں نہ جاسکا۔ کیونکہ میں بیمار تھا اس لیے اگلے جلسے میں گیا۔ شارٹ ہینڈ میں تقریروں کے جو نوٹ لیے جاتے ہیں ان کے لائنگ ہینڈ نوٹ لکھنے میں تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ عام رواج ہے۔ نوٹ بک ٹیو گرافز اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور لائنگ ہینڈ نوٹ لکھنا ہی میں رکھے جاتے ہیں سید عطار اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق مجھے ذاتی علم ہے کہ لدھارام اپنے ساتھ نوٹ بک لے گیا تھا۔ اور لائنگ ہینڈ نوٹس کی ایک کاپی میں نے اپنے پاس دفتر میں بطور ریکارڈ رکھی۔ دوسری کاپی صدر میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوائی گئی۔ میں نے اس تقریر کا اصل مسودہ ۲۸ جون کو دیکھا۔ اس روز شام کے وقت لدھارام میرے پاس آئے کیا تھا اور اس کی نقل دی۔

مسٹر سلیم کیا اصل مسودہ پر دستخط تھے۔ اس مرحلے پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز نے عدالت سے درخواست کی کہ میرا یہ اعتراض نوٹ کر لیا جائے کہ اصل مسودہ اب بھی پیش نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی ثابت کیا گیا کہ اس نے اس مسودہ کو تباہ کر دیا ہے۔ اس لیے اصل مسودہ کے داخلہ شہادت کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت نے یہ اعتراض نوٹ کر لیا۔ گواہ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لدھارام اصل مسودہ میرے پاس میری ذاتی حفاظت میں چھوٹ گیا تھا یہ مسودہ میرے پاس ۲۴ ستمبر ۱۹۳۰ء

تک رہا۔ اس روز لدھارام میرے پاس آیا اور یہ کہہ کر مجھے اس کی ضرورت ہے سودہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

حبش رام لال! کیا آپ نے رسید لے لی ہے۔

ج: میں نے روز نامچہ میں اس کا اندراج کر لیا تھا۔ یہ اندراج خانہ ملک میں کیا گیا۔ لدھارام نے اس کے آگے میرے سامنے دستخط کیے۔ اس کی دو کاپیاں تھیں۔ میں نے لدھارام کو کہا تھا کہ انھیں محرر کو دے دو تاکہ وہ صد روانہ کر دے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایک کاپی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھیجی جاتی ہے۔ نوٹ بک جس میں تقریر کے نوٹ لیے جاتے ہیں وہ لدھارام کے پاس ہی رہتی ہے۔ میں نے نوٹ بک نہیں دیکھی۔ تقریر کا اصل مسودہ جو لانگ ہینڈ میں تھا دیکھا تھا۔ اس پر عدالت میں پیش کردہ ایک مسودہ دکھایا۔ گواہ نے شناخت کر کے کہا کہ یہ اس اصل مسودہ کی کاپی ہے میں نے اصل پر دستخط کیے تھے اس لیے کارین پر بھی دستخط آگئے ہیں۔ یہ دستخط میرے ہی ہیں۔ یہ لانگ ہینڈ نوٹ میں نے خود نہیں پڑھے تھے بلکہ لدھارام نے پڑھ کر سنائے تھے۔

میاں عبدالعزیز کی حرح

س: کیا ۲۸ جولن کی رات کو آپ نوياؤں کے رات کسی طے سے

شامل ہوئے تھے۔

ج: ہال میں نو یا ساڑھے نو بجے شامل ہوا تھا۔
 میں: آپ کو ایسی کیا بیماری تھی کہ تین گھنٹے میں آرام آ گیا۔
 ج: دوسرے۔

میں: کیا مقبول حسین آپ کو بتا کر جلسے میں گیا تھا؟
 ج: نہیں میں اپنے گھر میں تھا۔ مزید صبح پر گواہ نے کہا کہ میرا گھر
 تھانہ کے احاطے میں ہی ہے۔ میں لدھارام رپورٹر کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ ۲۸ جون
 گورنارے تھانے میں اقبال نام کا کوئی کانسٹیبل نہیں تھا۔ میں غلام حسین کو
 اپنے ساتھ تھانے میں گیا تھا۔ اس رات شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی۔
 اس تقریر کی بنا پر شہزادہ کے خلاف جہلم میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اور میں اس
 مقدمہ میں بطور گواہ استغاثہ پیش ہوا تھا۔

میں: لدھارام نے اصل مسودہ کی جو کاپی لی تھی کیا آپ نے روزنامہ میں
 اندراج کیا کہ وہ یہ مسودہ آپ کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

ج: نہیں۔

میں: آپ کے پاس جو مفید دستاویزات دی جاتی ہیں کیا آپ اپنے
 افسروں کی اجازت کے بغیر کسی کو دے دیتے ہیں؟
 ج: نہیں۔ لیکن چونکہ لدھارام سپرنٹنڈنٹ پولیس کا اسٹیل حقیقہ کانسٹیبل

تھا اس لیے میں نے اس پر اعتبار کیا۔

س: جب آپ کے پاس وہ یہ دستاویز چھوڑ گیا کیا وہ رسید لے گیا تھا؟
ج: محض اس کی آمد اور روانگی کا اندراج ہے۔

س: خالصاً میرا سوال یہ ہے کہ اس دستاویز کے متعلق ۲۴ ستمبر
کے سوا کوئی اور رسید بھی ہے؟

ج: نہیں۔

س: کیا آپ کو علم ہوا کہ ۲۴ ستمبر والی دستاویز گم ہو گئی؟
ج: نہیں۔

س: کیا آپ کو آج تک پتہ ہے کہ اصل مسودہ نہیں ملتا۔
ج: سنا ہے کہ لدھارام نے اسے تلف کر دیا ہے۔

س: آپ کو یہ بات کس سے معلوم ہوئی۔

ج: جب میں بے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوا اور لدھا
رام کا بیان قلم بند کیا گیا تو مجھے معلوم ہوا۔ مزید جرح پر گواہ نے تسلیم
کیا کہ میں نے آج تک سپرنٹنڈنٹ پولیس کو رپورٹ نہیں کی کہ لدھارام
رپورٹ لے گیا تھا۔

س: آپ کو عدالت میں کاربن والی کاپی دکھائی گئی ہے کیا آپ
دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ کہاں کہاں پر دستخط ہیں؟

اس پر گواہ نے کاپی اٹھا کر دیکھی اور اپنے دستخط بتائے۔ میاں عبدالعزیز کی درخواست پر یہ کاپی فاضل ججوں کو دکھائی گئی۔ میاں صاحب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دستخط باسل الگ اور خالی جگہ پر کیے ہوئے ہیں، آپ نے دستخط کب کیے تھے

ج: جب لدھارام شام کو میرے ڈیرہ پر آیا تھا یہ ۲۸ دسمبر کا دن تھا
قابلاً پے بجے کا وقت تھا۔

جسٹس رام لال: دستخط کیوں کیے تھے۔

ج: لدھارام نے کہا تھا میں نے ابھین فارڈ کرنا ہے اس لیے دستخط کیے۔
س: کاربن پر دستخط کیے تھے یا علیحدہ علیحدہ۔
ج: علیحدہ علیحدہ دستخط کیے تھے پینسل سے۔
س: اصل پر بھی دستخط کیے تھے۔

ج: جی ہاں۔

س: اس کے نیچے کیا تاریخ دی تھی؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: آپ کے دستخطوں کے نیچے کوئی تاریخ نہیں۔ یہ آپ دیکھ لیں
نمرحلے پر وکیل صفائی نے پھر گواہ کو کاربن دکھائی اور گواہ نے کہا کہ اس
پر دستخط پینسل سے معلوم ہوتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے اعتراض کرتے ہوئے فائل حجان کی توجہ اس طرف دلائی کہ گواہ نے اپنے ابتدائی بیان میں کہا تھا کہ اس کے یہ دستخط کاربن پیپر پر دستخط کا عکس ہیں۔ جسٹس رام لال : یہ معمولی بات ہے۔ مسٹر سلیم : لا پرواہی ہو سکتی ہے۔

میاں عبدالعزیز : تو آپ کہہ دیں کہ گواہ لا پرواہ ہے۔ گواہ : درحقیقت دستخطوں پر پینہ لگ گیا تھا اور کچھ سرخی آگئی تھی اس لیے میں نے کہا تھا کہ دستخط کاربن پر کیے گئے تھے جن کا عکس ہے۔ س : کیا روزنامے کا اندراج ملا اس تقریر کے متعلق ہے جو سید عطار اللہ شاہ بخاری نے کی تھی۔ اور کیا آپ نے روزنامے میں یہ بھی لکھا ہے۔

ج : ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سید عطار اللہ شاہ بخاری کے متعلق ہے اس کی کیا موضع پر غازی آپ کے تھانہ ہی میں ہے۔

ج : ہاں۔ مزید جرح پر گواہ نے کہا کہ ۲۸ جون کی شام کو یہاں شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی۔

ادریہ مجھے ڈائری دیکھنے سے معلوم ہوا تھا
 میں؛ لیکن اس میں لارہ موسیٰ یا پیر غازی کا کوئی ذکر نہیں۔
 ج: وہاں میں خود گیا تھا۔
 س: میرا یہ سوال نہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ روز تاجپہ میں ان
 کا اندراج ہے یا نہیں۔

مسٹر سلیم کا اعتراض

مسٹر سلیم ایڈوکیٹ جنرل نے اس سوال پر اعتراض کرتے ہوئے
 کہا کہ وکیل صفائی روز تاجپہ کے باقی حصوں کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟
 میاں عبدالعزیز: میں باقی حصوں کا ذکر نہیں کر رہا۔ اس حصے کا
 اس سے تعلق ہے۔ چیف جسٹس کے کہنے پر یہ سوال دریافت نہ کیا گیا۔
 س: کیا روز تاجپہ پر اندراج ملک کے سامنے دو جگہ ۲۹ کے بندہ
 میں ۹ کا حصہ کاٹ کر نہ لیا گیا ہے۔
 ج: نہیں غلطی سے ۲۹ لکھا گیا تھا جس کی تصحیح کی گئی۔ یہ ہمارا
 کے دباؤ سے پہلے غلط لکھا گیا۔

س: شہزادہ آزاد کے جس مقدمہ میں ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ جہلم کی
 دلالت میں ۳۔ اکتوبر کو آپ نے شہادت دی تھی کیا وہ ۲۸۔ جون

کی تقریر کے متعلق تھا۔

ج: ہاں۔

س: کیا اس مقدمے کے متعلق بھی لدھارام نے آپ کو کوئی کاپی دی تھی

ج: ہاں دی تھی

س: وہ کہاں ہے؟

ج: میرے پاس ہے وہ بھی لدھارام ۱۴ ستمبر کو ساٹھ لے گیا تھا اور اس کے متعلق اندراج کیا گیا تھا۔ اس مرحلے پر گواہ نے اندراج دیکھا اور پڑھ کر دیکھا کہ اس جگہ سید عطار الدشاہ بخاری اور شہزادہ آزاد دونوں کی تقریروں کی کاپیوں کا مشترکہ اندراج تھا۔

س: آپ نے ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں جو بیان دیا تھا اس میں کہا تھا نقل ۶۹۔ جون کو لدھارام نے آپ کو دی تھی۔

جو میں نے صدر تھانہ کو بھیجی، اس کے علاوہ کوئی دستاویز نہیں لی

س: شہزادہ آزاد کے مقدمے کے متعلق دستاویز کہاں تھیں؟

ج: مجھے یاد نہیں۔ اس مرحلے پر کارروائی یکم اپریل پر ملتوی ہوئی۔

(ماخوذ از نمز ۱۵۔ مارچ سنہ ۱۹۷۷ء۔ لاہور)

مسٹر لہارم کا بیان

ہائی کورٹ میں

لدھارام کا بیان

لاہور۔ یکم اپریل۔ آج تین بیفٹے کے التا کے بعد جب ہائی کورٹ میں آ زیل چیف جسٹس اور جسٹس رام لال کے سامنے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ پیش ہوا۔ تو کمرہ عدالت اور اس کے باہر بے پناہ ہجوم تھا۔ آج مقدمہ کے چیف گواہ لدھارام سابق کانسٹیبل گجرات کی شہادت تھی۔ اس لیے احرام و گرد کے علاوہ سرگودھا، گجرات۔ لالہ موسیٰ اور دوسرے شہروں سے بھی بے شمار اشخاص آئے ہوئے تھے۔ ساڑھے توبیس کمرہ عدالت میں داخل ہونے کے لیے پاس کی درخواستیں کرنے والے دہائیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ حکام کو پاس بند کرنے پڑے۔ کمرہ عدالت کے اندر اور باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔

استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر مسٹریٹ
ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے۔ اور صفائی کی طرف سے دیوان حین لال۔
میاں عبدالعزیز بار ایٹ لا اور مسٹر کے ایل گابا بیردکار تھے۔ ان کے
علاوہ مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے بار کے کئی سرکردہ ممبر بھی موجود
تھے۔ احرار ایڈ بھی کمرۂ عدالت میں موجود تھے۔ سید عطار اللہ شاہ
بتجاری کی کار بھی جیل سے ۵ بج کر ۴ منٹ پر احاطہ عدالت میں داخل
ہوئی۔ احاطہ عدالت میں لوگوں نے "سید عطار اللہ شاہ بتجاری زندہ
باد" کے نعرے لگائے۔ کارروائی ٹھیک دس بجے شروع ہوئی۔
مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ سابقہ پیشی کے بعد لدھارام کے
نام سن جاری کیے گئے تھے۔ سمنوں کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ بہتیر کشوش
کے بعد بھی پتہ نہیں چلا کہ لدھارام کہاں ہے۔ اس پر میاں عبدالعزیز
وکیل صفائی نے آئیل جمان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں
ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لدھارام لاہور
ہی میں ہیں۔ ابھی ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ انھیں احاطہ عدالت میں
دیکھا گیا۔ میں ابھی ان کا پتہ لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے آدمی کو بھیجا۔
چیف جسٹس، کیا آپ نے انھیں خود نہیں دیکھا ہے۔
میاں عبدالعزیز: نہیں جناب، میں نے انھیں نہیں دیکھا جب

میں عدالت میں آیا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا لدھارام آگیا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ وہ آگیا ہے اور احاطہ عدالت میں اُسے دیکھا بھی گیا۔ اس پر قاضی ججین نے لدھارام کی آمد کا انتظار کیا۔ پانچ منٹ تک کمرہ عدالت میں خاموشی چھائی رہی جس کے بعد آڑیں جیف جسٹس نے پھر میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے لدھارام کی آمد کی اطلاع دی ہے؟

میاں عبدالعزیز: میرے ایک دوست سید مقسوم نے مجھے بتایا تھا، کہ دو اشخاص نے انھیں ابھی ابھی احاطہ عدالت میں دیکھا ہے۔ میں ان میں سے ایک کو حاضر کرتا ہوں۔ مسٹر سلیم: کیا میرے دوست خود مسٹر لدھارام کا پتہ لگانے کی کوشش کریں گے۔

مسٹر عبدالعزیز: یہ کانسٹیبل کی ڈیوٹی مجھ پر نہیں لگائی جاسکتی؟
 دس بج کر پندرہ منٹ میاں عبدالعزیز یہ کہہ کر میں خود ان دو اشخاص کو جھنوں نے لدھارام کو دیکھا تھا۔ بلاتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ایک پولیس کانسٹیبل کو ساتھ لے کر باہر گئے۔

کاروائی ملتوی کی گئی

اس مرحلہ پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ جب تک لدھارام متعلق

کچھ پتہ نہیں لگتا۔ میری درخواست ہے کہ کارروائی ملتوی کی جائے۔
 چیف جسٹس : یہ ٹھیک خیال ہے ہم نصف گھنٹے کے لیے کارروائی
 ملتوی کرتے ہیں۔ اگر اس دوران میں لدھارام آجائے تو ہمیں اطلاع
 دی جائے۔ دس بج کر ۲۵ منٹ پر ایک بھورے رنگ کی کار احاطہ
 عدالت میں داخل ہوئی۔ یہ کار عدالت کے عین سامنے جا کر رکی جیس
 میں سے تین نوجوان اترے۔ ان میں سے ایک لدھارام تھا۔ اُسے
 دیکھتے ہی "لدھارام زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ پولیس
 کو بڑی دقت پیش آئی کیونکہ ہجوم نے لدھارام کو گھیر لیا تھا۔ پولیس نے
 ہجوم کو پرے ہٹایا اور لدھارام کو کچھ لیا۔ لدھارام نے دونوں بازو
 پھیلائے ہوئے تھے۔ اور وہ پولیس اور ہجوم کو چیز تا ہوا کمرہ عدالت کی
 طرف بڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں کچھ کشمکش بھی ہوئی لیکن لدھارام کو
 سیدھا اندر جاتے دیا گیا۔

لدھارام کا بیان

دس بج کر ۲۵ منٹ پر کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ سب سے پہلے
 لدھارام کا بیان ہوا۔ لدھارام قریباً ۲۴ سال کا مسنونہ نوجوان ہے۔ اس
 نے سنواری رنگ کا کوٹ، چوڑی دارپا جامہ اور گلابی رنگ کی قمیض پہنی

ہوئی تھی۔ پاؤں میں سفید کینز کے بوٹ تھے اور چھوٹی چھوٹی ٹونجیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ جب وہ کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو بہت سے نعرے بلند ہو رہے تھے اس لیے چیف جسٹس کو یہ کہنا پڑا کہ اگر درجہ بھی شور ہو تو کمرۂ عدالت وزیٹروں سے خالی کر دیا جائے گا۔ لدھارام ولدنا میر عزیزانگ نے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ میری عمر قریباً چوبیس یا پچیس سال ہے۔ میں پہلے لازم تھا اور اب تنعفی ہو چکا ہوں میں انگریزی جانتا ہوں لیکن بول نہیں سکتا۔

مسٹر سلیم : جب ۲۸۔ جون کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لالہ موسیٰ میں تقریر کی تھی کیا آپ دلائل موجود تھے؟
لدھارام : پولیس رپورٹر کی حیثیت سے۔

س : شاہ صاحب نے جو تقریر کی کیا آپ نے اس کے نوٹ لیے؟
ج : جی ہاں میں نے نوٹ لیے۔

س : لانگ ہینڈ میں نوٹ ایسے یا شارٹ ہینڈ میں؟
ج : ورنیکلر شارٹ ہینڈ میں۔

س : کیا تم نے تمام تقریر کے نوٹ لیے تھے؟
ج : جو کچھ میں کچھ سکتا تھا لکھا۔

س : کیا تم تمام تقریر کچھ سکتے تھے۔ یا اس کا زیادہ حصہ؟

ج: میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے جو کچھ سمجھا وہ لکھا۔
 س: جو کچھ آپ نے لکھا کیا یہ وہی تھا جو شاہ صاحب نے کہا تھا؟
 ج: کچھ دیر تک خاموش رہ کر جب تک آپ اس سوال کو صاف
 نہ کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س: میرا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے جو کچھ کہا کیا وہی آپ نے
 لکھا تھا؟

ج: جو کچھ میں نے سمجھا کہ شاہ صاحب نے کہا ہے وہی میں نے لکھا۔
 س: جب آپ نے یہ نوٹ لکھ لیے تو کیا آپ نے کسی سے دستخط کرا لیے
 تھے؟

ج: جی ہاں میں نے غلام حسین، رولڈ سنگھ (قبیرا نام ذرا سوچ کر)
 مقبول حسین شاہ اور فیروز خاں پولیس کانسٹیبل کے دستخط کرا لیے تھے۔
 س: کیا اس کے بعد ان شارٹ ہینڈ نوٹوں کے آپ نے اسی وقت
 لاٹک ہینڈ نوٹ بنائے۔

ج: اسی وقت نہیں۔
 س: تو کب آپ نے لاٹک ہینڈ نوٹ تیار کئے؟
 ج: گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے گھر آ کر لاٹک ہینڈ نوٹ لکھے اور
 اسے دے دیے۔

س: کس تاریخ کو لکھے؟

ج: جس دن تقریب کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے اس رات اور دن کے بعد میں نے ۲۸۔ جون کو لالہ موسیٰ میں نوٹ لیے تھے، رات بھر میں ۲۹ کو بھی دیں رہا۔ ۳۰۔ جون کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پیش کیے۔
س: چیف جسٹس: کس جگہ پیش کیے۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر تقریباً دوپہر کے بعد۔

س: یہ لانگ ہینڈ نوٹ علیحدہ کسی کاغذ پر لیے یا اسی نوٹ بک میں جس میں شارٹ ہینڈ نوٹ لیے تھے۔

ج: علیحدہ کاغذ پر لکھ کر اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دیا۔

س: کیا وہ ترجمہ جو آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ سے لانگ ہینڈ نوٹ نوٹ میں کیا درست تھا؟

ج: شارٹ ہینڈ نوٹوں کے مطابق لانگ ہینڈ نوٹ بالکل درست تھے

س: جس نوٹ بک میں آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے اس میں کوئی خالی صفحہ بھی رکھا۔

ج: دین دونوں طرف نوٹ لکھا گیا۔

س: کیا آپ عام طریقے پر اسی طرح شارٹ ہینڈ نوٹ لیتے تھے؟

ج: عام طور پر دونوں طرف ہمیں لکھا جاتا کسی جگہ درمیان میں خالی

صفحے چھوڑ دیے جاتے ہیں کسی جگہ نہیں۔

س: آپ کتنے عرصے سے رپورٹنگ کر رہے ہیں؟
 مسٹر حبش رام لال: آپ یہ سوال کس لیے دریافت کر رہے ہیں
 ج: مسٹر سلیم، اس لیے کہ اپنے پہلے سوال کا ٹھیک جواب مل کر
 یہ کہہ کر آپ نے پھر سوال دہرایا۔

لدھارام: میں قریباً ایک سال سے رپورٹنگ کر رہا ہوں۔
 مسٹر سلیم: کیا تم نے اس سے پہلے بھی کسی جلسے میں نوٹ لیے؟
 ج: جی ہاں میں نے کئی جلسوں میں نوٹ لیے۔
 س: جب آپ دوسروں کے نوٹ لیتے تھے تو صفحے کے ایک طرف
 لکھتے تھے یا دونوں طرف؟

ج: اگر اچھا اور ایسا مقرر ہوتا جو عام طور پر مشہور ہوتا اور خیال ہوتا
 کہ وہ ایسی تقریر کرے گا جو قابلِ اعتراض ہوگی تو جگہ چھوڑ دیتے تھے۔
 چیف حبش: مسٹر سلیم آپ سادہ اور مختصر سوال کیوں نہیں کرتے؟
 جس سے سارا جواب مل جائے۔

مسٹر سلیم: میرا مطلب یہ ہے کہ جب آپ دوسری تقریروں کے
 معاملے میں کہیں جگہ چھوڑ لیتے تھے تو اس کا خاص سبب ہوتا تھا۔
 ج: جی ہاں شارٹ ہینڈ نوٹوں کے ساتھ کئی دفعہ رنگ ہینڈ نوٹوں کے

لیے علیحدہ کاغذ چھوڑ دیا جاتا۔ تاکہ جب مقدمہ پیش ہو تو یادداشت ہو سکے۔
 چیف جسٹس: تم جو شارٹ ہینڈ ایک صفحے پر لیتے تھے۔ کیا اس کے
 لونگ ہینڈ نوٹ اس جگہ پر جو خالی چھوڑ دی جاتی تھی آجاتے تھے۔
 ج: سارے نہیں آجاتے تھے۔ بلکہ ہم ضروری حصے لکھ لیتے تھے تاکہ
 انہیں یاد رکھ سکیں۔

مسٹر سلیم: آپ نے کہا ہے کہ کسی حالتوں میں آپ خالی صفحے چھوڑ دیتے
 تھے اس کا کیا سبب تھا؟
 ج: جب ہمیں پتہ لگ جاتا تھا کہ گورنمنٹ نے مقدمہ چلانے کی اجازت
 دے دی ہے تب جگہ خالی چھوڑ لیتے تھے۔

مسٹر سلیم: میرا سوال یہ ہے کہ جن تقریروں کے نوٹ لیتے وقت آپ
 نے خالی صفحہ نہیں چھوڑا۔ اس کا سبب کیا ہے؟
 ج: جن حالتوں میں تقریریں قابل اعتراض ہوتی ہیں ان میں ہی
 خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

س: جگہ چھوڑنے کا فیصلہ آپ تقریر کے نوٹ لیتے وقت کرتے تھے
 یا بعد میں؟

ج: تقریر کے دوران میں ہی جب اس نتیجے پر پہنچیں۔
 چیف جسٹس: اب سوال یہ ہے کہ جب آپ لالہ موسیٰ میں پہنچے تو کیا آپ

کا خیال تھا کہ شاہ صاحب قابل اعتراض تقریر کریں گے
لدھارام: نہیں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ قابل اعتراض تقریر کرے گا
یا نہیں۔

مسٹر سلیم: (ایک نوٹ بک جو مکرمہ عدالت میں موجود تھی گواہ کو دکھا کر)
اس کتاب کے ۱۶ سے ۳۴ صفحات تک جو شارٹ ہینڈ نوٹ درج ہیں وہ
کیا بھارتی لکھے ہوئے ہیں؟

لدھارام: یہ بھی میرے لکھے ہوئے ہیں۔
س: جو کچھ آپ نے لاٹنگ ہینڈ میں لکھا کیا وہ اس شارٹ ہینڈ کا ترجمہ ہے
ج: جی ہاں اس کتاب میں جو شارٹ ہینڈ نوٹ ہیں ان کے مطاب
لاٹنگ ہینڈ نوٹ درست ہیں۔

س: کیا آپ نے سارے کے سارے شارٹ ہینڈ نوٹوں کا ترجمہ لاٹنگ
ہینڈ نوٹوں میں کیا تھا؟

چیف جسٹس: یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟
مسٹر سلیم: یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط۔ اس مرحلے پر پھر
مسٹر سلیم نے یہی سوال دریافت کیا۔

لدھارام: جی ہاں جو کچھ میں نے شارٹ ہینڈ میں لکھا ہے اس کا ترجمہ
سارے کے سارے لاٹنگ ہینڈ نوٹوں میں کیا۔

مسٹر سلیم! کیا یہ وہی شارٹ ہیڈ نوٹ میں جو آپ نے لالہ موسیٰ میں
۲۸۔ جون کو ٹرم کی تقریر کے لیے تھے؟
لدھارام: یہ وہ نوٹ ہیں جو میں نے جلسے میں لیے تھے۔

جرح کی اجازت

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ مجھے گواہ پر جرح کرنے کی
اجازت دی جائے۔ کیونکہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے
اعتراف کیا کہ اس مرحلے پر کوئی وجہ نہیں کہ گواہ کو منحرف قرار دیا جائے۔
کیونکہ یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سچ
بول رہا ہے۔ فاضل حجام نے فیصلہ کیا کہ ایڈووکیٹ جنرل کو جرح کرنے
کا حق ہے۔ میاں عبدالعزیز سے انھوں نے کہا کہ کسی گواہ کے منحرف
ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ایک سچے گواہ کو بھی
منحرف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس نے
استغاثہ کی مرضی کے مطابق بیان نہیں دیا۔ خواہ استغاثہ جھوٹا ہے یا سچا
مسٹر سلیم نے گواہ پر جرح شروع کی۔

س: یہ شارٹ ہیڈ نوٹ آپ نے کہاں لیے؟ جو آپ کہتے ہیں
کہ اصلی نوٹ نہیں ہیں؟

ج : میں نے لالہ موسیٰ سے واسپی پر گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر یہ شارٹ ہینڈ لٹ لکھے جو مجھے دکھائے گئے ہیں ۲۰ جولہ کو جب میں نے یہ لٹ لکھے تو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر ایک اور آدمی راجہ خاں نائب محرر لالہ موسیٰ پولیس اسٹیشن بھی موجود تھا ہم تینوں دہان موجود تھے۔ راجہ خاں، میں اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر تینوں موجود تھے۔

س : آپ نے ان لٹوں کی کہیں سے نقل کی یا کسی نے دکھا ہے ؟
ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر صاحب جو کچھ مجھے لکھاتے رہے میں اسی کو شارٹ ہینڈ میں لکھتا گیا۔ میں پہلے لانگ ہینڈ ترجمہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا چکا تھا۔ اسی کو دیکھ کر اس میں تبدیلیاں کر کے وہ مجھے دکھاتے تھے۔
س : کیا ان تبدیلیوں کے متعلق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اپنے پاس لٹ لکھ کر رکھے ہوئے تھے۔ یا وہ زبانی تبدیلیاں کرتے جاتے تھے۔

ج : اس وقت میرے لانگ ہینڈ نوٹس کے علاوہ اور بھی ایک کاغذ تھا۔ لیکن مجھے یہ نہیں دکھایا گیا کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا تھا لیکن اتنا نظر آ رہا تھا کہ اس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ دوسری طرف سے انگریزی کے ٹائپ شدہ حروف نظر آ رہے تھے۔ لکھاتے وقت وہ دوسرے کاغذ کی طرف بھی دیکھتے جاتے تھے۔ شارٹ ہینڈ کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے

مکان پر لاناگ ہینڈ بک ترجمہ بھی لکھا۔ لاناگ ہینڈ ترجمہ علیحدہ کاغذ پر بھی لکھا۔ اسی دن پر ایکسٹونگ انسپکٹر کے مکان پر نوٹ بک پر لاناگ ہینڈ لکھنے کے بعد علیحدہ کاغذ پر لاناگ ہینڈ ترجمہ کی نقل کی۔ دوسری دفعہ جب لاناگ ہینڈ کی نقل کی گئی۔ تو کاربن پیپر کے ذریعے دو کاپیاں بنائی گئیں۔ ایک اصل اور دو کاربن والی کاپیاں۔ دوسری نوٹ بک پر جو بعد میں تیار کی گئی میرے سامنے گواہوں نے دستخط نہیں کیے۔ اصل نوٹ بک جس میں جلسے کی تقریر کے نوٹ تھے پر ایکسٹونگ انسپکٹر کے سامنے میز پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ شارٹ ہینڈ نوٹ اور لاناگ ہینڈ ترجمہ پر ایکسٹونگ انسپکٹر کے سامنے چھوڑ گیا تھا۔

نوٹ بک جلادی گئی

اصلی شارٹ ہینڈ نوٹ بک میرے سامنے پر ایکسٹونگ انسپکٹر کے مکان پر جلادی گئی۔ اور اصلی نوٹوں کے لاناگ ہینڈ نوٹوں کے ترجمے کو بھی میرے سامنے جلادیا گیا۔ یہ پر ایکسٹونگ انسپکٹر کا راکشی مکان تھا۔ میڈنگ سے پہلے ہی مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ پیر فازی میں جس تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے مقصود ہیں ان نوٹوں کے درمیان وقفے چھوڑ دینا۔ ہدایات کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ پنجاب کے وزیر اعظم کی

ایک چٹھی سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کو موصول ہوئی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ سید عطار اللہ شاہ بخاری آپ کے علاقے میں آ رہا ہے۔ وہ یونینسٹ پارٹی کے خلاف منافرت پھیلانے آ رہا ہے۔ اس کی تقریر اس طریقے پر لی جاوے کہ وفات ۳۰۲ - ۱۱۷ اور ۵۳ کی زد میں آجائے۔ تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے پر ایسے شخص کو لگایا جائے جو تعلیم یافتہ ہو اور گروہ بھگتا ایسے ہونے چاہئیں جو پولیس کے زیر اثر ہوں۔

ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ایک چٹھی ایسی تھی جس پر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے دستخط کرائے۔ وہ چٹھی ہدایات سے متعلق تھی۔ اور دستخط اس لیے کرائے تھے کہ بعد میں یہ نہ کہہ سکوں کہ ہدایات نہیں ملی تھیں۔ جس خط پر وزیر اعظم کی ہدایات لکھیں وہ مجھے نہیں دکھایا گیا تھا۔ پہلی دفعہ مجھے ۲۸ جون سے دو تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئی تھیں۔ ۲۸ جون کو جب میں تقریر کی رپورٹ کے لیے لالہ موسیٰ روانہ ہونے والا تھا تو مجھے بلا کر کہا گیا کہ تقریر کی رپورٹ جلد از جلد لے کر شارٹ ہینڈ نوٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا دوں جب دو یا تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئیں اس وقت مجھے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بلایا تھا۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس انگریزی میں بات کرتے تھے۔ تھوڑی بہت انگریزی میری سمجھ میں آتی تھی باقی نہیں آتی

آتی تھی پھر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے ایس۔ پی کی موجودگی میں ہدایات دیں کہ پیر غازی (لالہ موسیٰ) میں سینک ہوئے والی ہے وہاں اسید عطار اللہ شاہ بخاری تقریر کرتے والے ہیں، اس کی تقریر کے شارٹ ہینڈ لیتے وقت خالی جگہیں چھوڑتے جانا۔

س: کیا اس وقت آپ کو بتایا گیا کہ شارٹ ہینڈ نوٹس میں جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں؟

ج: اس وقت تک مجھے نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں۔ لیکن یہ بات تو میری آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ پولیس سمجھ چکے تھے تو مجھے ہدایات دی گئیں۔ پیر غازی میں جو جلسہ ہونے والا ہے اس کے نوٹس میں خالی جگہ رکھی جائے۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ جگہ شارٹ ہینڈ نوٹس میں چھوڑنی تھی۔

س: کیا یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ جہاں آپ کا خیال ہو جگہ چھوڑ دو یا کوئی خاص جگہ چھوڑنے کے لیے کہا گیا تھا۔

ج: کہیں ایک لائن کہیں دو لائنیں۔

س: میرا سوال ہے کیا یہ قطعی سہولت دی گئی تھی کہ کس طرح جگہ خالی چھوڑی جائے

ج: نہیں۔ خاص طریقے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔

س: یہ ہدایات کس کی تقریروں کے متعلق تھیں۔

ج: سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق۔

س: تقریر کہاں کرنی تھی؟

ج: پیسر غازی میں۔

س: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کو جگہ چھوڑنے کے متعلق کیوں

ہدایت کی گئی تھی؟

ج: مجھے پتہ نہیں۔

س: آپ کو پتہ نہیں تھا اور آپ نے کسی سے خیال بھی ظاہر نہیں

کیا۔ ج: نہیں۔

س: آپ قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ج: قیاس تو ہر شخص کر سکتا ہے ایک معمولی سا ملازم بھی۔

عدالت سے تحفظ کی درخواست

س: کیا پہلا موقع تھا جب آپ نے اس طرح جگہ خالی چھوڑی؟

لدھارم: اگر عدالت مجھے تحفظ دے تو میں اس سوال کا جواب

دے سکتا ہوں۔

چیف جسٹس: آپ کو تحفظ دی جاتی ہے لیکن اگر ہمیں خیال ہوا

کہ آپ کا جواب غلط ہے تو مقدمہ چل سکتا ہے اگر درست ہو تو نہیں
 لبھارام: میری عرض یہ ہے کہ میں جن واقعات کے متعلق جواب
 دوں گا اس میں مقدمہ چل کر سزا ہو سکتی ہے۔

مسٹر سلیم: مائی لارڈ میری درخواست ہے کہ یہ کارروائی میں
 لکھا جائے کہ گواہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس سوال کا جواب دے۔
 اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔

میاں عبدالعزیز: لیکن اس صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
 گواہ جواب دینے سے انکار کر دے۔

چیف جسٹس: محض یہ سوال دریافت کیا جائے کہ کیا گواہ کو
 پہلے بھی یہ ہدایت ملی تھی۔

مسٹر سلیم نے ہی سوال کیا جس کے جواب میں گواہ نے کہا:
 کہ مجھے اس سے پہلے بھی اسی طرح ہدایات ملی تھیں۔

سلیم: آپ کو ہدایت کب ملی تھی اس مرحلے پر کیل صفائی
 میاں عبدالعزیز نے درخواست کی کہ اس سوال کے جواب میں
 گواہ کو محفوظ دیا جائے

چیف جسٹس: یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ گواہ پہلے
 کہہ چکا ہے کہ اسے پہلے بھی ہدایات ملی رہی ہیں۔

میاں عبدالعزیز: لیکن اس معاملہ میں گواہ کو ضرور تحتفظ ملنا چاہیے۔
 چیف جسٹس: صرف اس خاص سوال کے جواب میں تحتفظ دیا جائے گا۔
 مسٹر سلیم: (گواہ سے) سید بخاری کے جلسے کے متعلق آپ کو جو ہدایات
 دی گئی تھیں۔ کیا اس وقت بھی کوئی چٹھی آتی تھی۔

ج: چٹھیاں تو کئی آتی رہتی ہیں۔
 مسٹر جسٹس رام لال: کیا اس خاص جلسے کے متعلق کوئی چٹھی دکھائی
 تھی؟ لدھارام، جی ہاں۔

مسٹر سلیم: اصلی چٹھی دکھائی گئی تھی یا اس کی نقل۔
 ج: اس کا ترجمہ کیونکہ اس پر لکھا ہوا تھا یہ بہت خفیہ ہے۔ ایک
 اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا۔ میں نے اصلی خط نہیں پڑھا بلکہ
 نقل جو سپرنٹنڈنٹ پولیس کا ریڈراپنے رجسٹر میں درج کر تالیے وہی
 پڑھی۔ مسٹر سلیم: رجسٹر میں جو درج تھا اس میں کیا لکھا تھا؟
 ج: مجھے یاد نہیں رہا جو کچھ مجھے یاد ہے وہ کہہ چکا ہوں اور وہ
 یہ کہ جگہ خالی رکھی جائے اور تقریر کے نوٹوں کی ایک کاپی پر اسکیوٹنگ
 انسپیکٹر کو دی جائے۔

مسٹر جسٹس رام لال: کیا سارا رجسٹر پڑھا تھا یا محض وہ نقل۔
 ج: ترجمہ جو کچھ تھا وہ پڑھا اور اس خط کے نمبر بھی حلیحہ نوٹ کر لیے

ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا: کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ مستقبل میں اپنی رہنمائی کے لیے لکھا تھا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے یہ نقل ریڈر کے ذریعے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی اجازت سے لی تھی۔ اور میں اسی طرح اکثر نقل لیا کرتا تھا۔ چیف جسٹس: آپ نے جس تحریر کی نقل لی تھی وہ بہت ہتھوڑی تھی یا زیادہ۔

گواہ: کچھ خط تھے جن پر ہتھوڑی ہتھوڑی عبارت تھی۔ چیف جسٹس: دس دس سطریں یا بیس بیس سطریں تم نے کتنی دیر میں نقل کی۔

لدھارام: تین چار منٹ میں۔ میں نے پیر بنجاری کے جلسے متعلق ہدایات نقل کیں۔

چیف جسٹس: کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس اس وقت موجود تھے؟ گواہ: وہ دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔

سلیم: مطلب یہ ہو کہ بعض اوقات نقل کرتے وقت سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود ہوتے تھے اور بعض اوقات نہیں۔

گواہ: کئی اوقات ریڈر کو ہدایت کی جاتی تھی کہ دوسرے کمرے میں لے جائیں۔

حقیقہ رابر

حقیقہ حبش : یہ ریڈر بہت حقیقہ ہے۔

گواہ : جی ہاں۔

حقیقہ حبش : اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو نہیں

بتایا جاتا تھا۔

گواہ : جس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی اسے بتایا جاتا تھا۔

حقیقہ حبش : سوال یہ ہے کہ ایک سترہ روپیہ ہمارے تنخواہ پانے

والے کا سنبیل کو سپرنٹنڈنٹ پولیس وہی حقیقہ تحریریں کیونکر دکھا سکتے

ہیں۔ گواہ : میں چنڈا اور باتیں بھی اس سلسلے میں بیان کرنا

چاہتا ہوں کیونکہ وہ کام میں نے کرنا تھا۔

سلیم : آپ نے کہا تھا کہ آپ نقل کرتے وقت ہنبر بھی نقل کر لیتے

تھے۔ یہ کیوں؟

گواہ : اس کے متعلق نقل کرتے وقت کوئی خیال نہیں ہوتا۔

س : جو نقل آپ کے پاس تھی اس کے متعلق آپ کو ہدایت

تھی کہ اسے محفوظ رکھا جائے یا نہیں۔

ج : اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ جب تم نقل کر لیتے تھے تو کیا یہ بتلایا جاتا تھا کہ اسے جس طرح چاہو استعمال کرو اسے اپنے پاس رکھو یا نہیں۔
 میاں عبدالعزیز : (ٹھوکر) اس وقت گواہ ان کے اعتماد میں تھا۔
 گواہ : جو کچھ میرے متعلق لکھا ہوتا تھا اس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی کہ اپنی یادداشت کے لیے نقل کرو۔
 س : جب آپ کو چٹھی دکھائی جاتی تھی یا ہدایت دی جاتی تھی۔
 تو ہمیشہ اس کی نقل دی جاتی تھی۔
 ج : میں ہمیشہ نقل کر لیتا تھا۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ میں نقل اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور محفوظ رکھتا تھا۔

لکڑی کا بس

مسٹر سلیم : تو ہم فرض کرتے ہیں کہ کسی مقدمات کے متعلق بھی ہدایت کی نقلیں آپ کے پاس ہوں گی۔
 ج : جی ہاں میرے پاس پولیس اسٹیشن گجرات میں ہیں جنہیں میں اپنے رہائشی کوارٹر میں اپنے ایک صندوق میں چھوڑ آیا ہوں۔
 چیف جسٹس : اسے تالا لگایا۔
 گواہ : تالا لگایا تھا مگر وہ پہلے سے ہی خراب تھا، قریباً تین چار ماہ

پہلے سے۔

چیف جسٹس: کیا ان کاغذات کو خفیہ رکھنے کیلئے بجس ملا تھا۔
 گواہ: جی ہاں۔ گواہ نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس
 صندوق میں کھولے کا ایک چھوٹا سا بجس تھا جس میں وہ کاغذات رکھے
 ہوئے تھے۔ اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی چابی ابھی تک میرے پاس
 ہے۔ چیف جسٹس: لاؤ دکھائیں۔ لہذا ہم نے اپنی جیبیں ٹٹولنے کے
 بعد کہا کہ میں نے اپنی تمام چابیاں اپنے ایک دوست خواجہ کو دی ہوئی
 ہیں وہ یہیں موجود تھے اس کے بعد خواجہ کو (جس کا پہلا نام گواہ نہیں
 جانتا تھا) بلا لایا گیا۔ اس نے چابیاں گواہ کو دیں۔ گواہ نے چابیاں چیف
 جسٹس کو دے دیں اور اس بجس کی چابی بتائی۔ گواہ نے یہ بھی بتایا کہ خواجہ
 سے میری گزشتہ پندرہ بیس دن کی واقفیت ہے۔ مزید کہا کہ جلال الدین
 بیڈکا شٹیل کے پاس بھی اس بجس کی اسی طرح چابی ہے۔ اس کے بعد
 گواہ کو کچھ دستاویزات دکھائی گئیں۔ انھیں دیکھ کر گواہ نے ایک پیرا
 دیکھ کر کہا کہ یہ پیرا میں نے جسٹس سے نقل کیا تھا۔

مسٹر سلیم: اس سے پہلے جو سی آر پی کھا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

گواہ: مجھے معلوم نہیں۔

چیف جسٹس: شاید اس کا مطلب کالفیڈیشنل رپورٹ آف پولیس ہے۔

تحقیق جھوٹ

مسٹر سلیم: کسی پر سی ایل پی لکھا ہوتا ہے۔

چیف جسٹس: (ازراہ مذاق) کانفیڈنشل لائزرڈ جھوٹا ہو سکتا ہے (متنبہ) اس مرحلے پر چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے کہا کہ آپ اپنی جرح میں اس بات کو ضرور صاف کیجیے کہ اس قدر خطرناک اور کانفیڈنشل ہدایات کو ایک سترہ روپے کے کانسیٹل کو نقل کر کے ساتھ لے جانے کی اجازت کس طرح دی گئی تھی اس کا یقین نہیں ہوتا۔ میاں عبدالعزیز نے کہا۔ مالی لارڈ میں اس بات کا خیال رکھو ننگا گواہ نے مسٹر سلیم کی مزید جرح کے جواب میں کہا کہ وہ سہ۔ جون کو میں ہدایت حاصل کر کے پیر فازی والی تقریر کے نوٹ لیتے گیا تھا۔ ہدایات مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے دی تھیں۔ گجرات میں ہدایت دی گئی تھیں۔ ایس پی اپنے کمرے میں ہو گا۔ لیکن اس وقت ہم دونوں کے سوائے کوئی دہاں موجود نہ تھا اس وقت مجھے یہی ہدایات دی گئی تھیں کہ تقریب کے نوٹ لیتے ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس واپس آنا۔ اس کے علاوہ اس دن کوئی مزید ہدایات نہیں دی گئی تھیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ تقریر *for a by case* ہو گی۔ کیونکہ ایسی باتیں تو قیادہ سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے مجھے کہا جا چکا تھا کہ جبکہ خالی

چھوڑوں یا نہ چھوڑوں۔ مجھے محض یہ ہدایت تھی کہ جس وقت نوٹ لے آؤں
 فوراً پراسیکیوٹنگ انسٹرکشن کے مکان پر پہنچ جاؤں
 سلیم: اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو یہ ہدایت نہیں کی گئی تھی جس سے
 معلوم ہو کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

ج: مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

سلیم: کیا آپ کو شبہ تھا یا بتایا گیا تھا۔

ج: ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔

س: کیا اس تقریر کے متعلق خاص ہدایت کی گئی تھی؟

ج: مجھے وزن پر بلا کہ ہدایت کی گئی تھی کہ لانگ ہینڈ نوٹ نہ کرتا۔

س: کیا یہ بتایا گیا تھا کہ کوئی خالی جگہ نہ چھوڑنا۔

ج: مجھے نہیں بتایا گیا تھا۔

س: جس نوٹ بک میں آپ نے نوٹ لیے وہ حجرات سے لی تھی؟

ج: جب آپ لالہ موسیٰ گئے تھے کیا آپ کو خیال تھا کہ نوٹ بک جلائی

جائے گی۔

ج: مجھے معلوم نہیں تھا۔

س: کیا آپ کو یہ ہدایات دی گئیں کہ فوراً آجائیں۔

ج: مجھے یہ ہدایت تھی کہ جتنی جلدی فارغ ہو جاؤ واپس آ جاؤ۔

س: اب فارغ ہو گئے تھے؟

ج: اور بھی کئی تقریریں تھیں، شہزادہ آزاد نے بھی تقریر کی تھی اس لیے دوسرے دن شام کو فارغ ہوا۔

س: ۲۸ جون کی شام کو آپ نے کس وقت تقریر کے نوٹ لیے؟
ج: مجھے یاد نہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ نوٹ لینے میں غالباً دو اڑھائی گھنٹے لگے تھے۔

س: لالہ موسیٰ سے سبجرات آنے تک کتنا وقت لگا۔
ج: غالباً بیس پچیس منٹ۔ ایک اور سوال پر کہا کہ غالباً دو دنوں شہروں میں دس گیارہ میل کا فاصلہ ہے۔

س: کیا جس رات نوٹ لیے تھے اس رات سوئے بھی تھے؟
ج: جی ہاں۔ میں تھکانہ لالہ موسیٰ میں سویا تھا۔ وہاں اور سپاہی بھی تھے جنہوں نے مجھے کہا تھا کہ شاید کل جلسہ ہو۔ اس لیے مجھے لالہ موسیٰ ہی میں ٹھہرنا چاہیے۔ اس مرحلے پر کارروائی لیج کے لیے ملتوی ہو گئی۔

لیج کے بعد کی کارروائی

لیج کے بعد کارروائی شروع ہوئی۔ تو کئی اور دو کارروائی سننے کے لیے موجود تھے۔ ان میں سے پنڈت نانک چند بیرسٹر ایٹ لاکھ نام

تاہلی ذکر ہے میرٹر سلیم نے جرح جاری رکھتے ہوئے لدھارام سے پوچھا ۲۸۔
جون کے جلسے میں جس میں عطار اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی کیا آپ نے
کسی دوسری تقریر کے نوٹ لیے؟

گواہ: جی ہاں میں نے سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے علاوہ
شہزادہ آزاد، بھاگ سنگھ اور ایک دوا اور اصحاب کی تقریروں کے نوٹ
لیے جن کے نام مجھے یاد نہیں۔

س: جب آپ نے نوٹ لیے اس وقت دن کچھ باقی تھا؟

ج: نہیں۔ جلسہ نو بجے رات کے بعد شروع ہوا۔

س: کیا ان تقریروں کے نوٹ اسی نوٹ بک میں لیے تھے۔

گواہ: جی ہاں۔

س: کیا آپ نے دوسرے دن یعنی ۲۹۔ جون کو کسی اور تقریر کے نوٹ

لیے تھے؟ گواہ: نہیں۔

س: میرٹر حبش رام لال: کیا اس دن لالہ موسیٰ میں کوئی جلسہ تھا؟

ج: ایک جلسہ تھا مگر اسے متوی کیا گیا۔

میرٹر سلیم: آپ لالہ موسیٰ سے ہجرات کب گئے؟

ج: ۲۰۔ جون کی شام یا ۲۱۔ جون کی صبح لیکن مجھے ٹھیک یاد نہیں کیونکہ

اس واقعے کو آٹھ نو ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔

مسٹر سلیم: آپ نے پہلے کہا تھا کہ آپ کو ہدایت ہوئی تھی کہ تقریریں
نوٹ کرنے کے بعد فرد آپسچو۔ تو کیا آپ کو یاد نہیں کہ ۲۹۔ جون کی شام کو
گئے یا ۳۰۔ جون کی صبح کو؟

گواہ: مجھے یہ یاد نہیں، لیکن یہ یاد ہے کہ ۳۰۔ جون کو پراسیکیوٹنگ
افسر کے پاس گیا۔

مسٹر سلیم: اگر آپ ۲۹۔ جون رات کو ہجرات جاتے تو کہاں رہتے ہجرت
جاتے تو تھانہ میں رپورٹ دے کر وہیں رہتے؟

س: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس کس وقت گئے؟

ج: دوپہر کے بارہ بجے کے بعد مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ غالباً تین
اور چار بجے کے درمیان گیا ہوں گا۔

س: جب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے ملے تو کیا نوٹ بک جس میں
آپ نے ان تقریروں کے نوٹ لیے تھے۔ وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور
اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے کر دیا تھا۔ گواہ: جی ہاں۔

س: جب آپ نے نوٹ بک حوالے کی تو کیا شارٹ، ہینڈ نوٹ پڑھ کر
سنائے تھے یا لانگ ہینڈ میں لکھ کر؟

گواہ: میں نے لانگ ہینڈ نوٹ بنائے اور اس کے بعد انھیں انسپکٹر
لوپش کر دیا۔

س: کیا ان کی موجودگی میں لائنگ ہینڈ لوٹ تیار کیے؟ گواہ جی ہاں
پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی موجودگی میں تیار کیے۔

س: جب آپ نے لائنگ ہینڈ لوٹ بنائے تو کیا آپ کی موجودگی میں
انھوں نے پڑھا؟ گواہ جی ہاں۔

س: کیا انھوں نے پڑھنے کے بعد کہا کہ یہ تسلی بخش نہیں ہے یا ہے۔
گواہ: انھوں نے کہا کہ جو کچھ میں بدلول اس کے نئے سرے سے
شارٹ ہینڈ لوٹ لکھو۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ
پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے لائنگ ہینڈ لوٹ دو تین مرتبہ پڑھے۔ اور اس
کے بعد کھنا شروع کیا۔

س: آپ نے جو لوٹ لکھے ان میں کتنا عرصہ لگا؟
ج: قریباً چھ سات گھنٹے لگے۔ دس ساٹھ دس بجے یہ کام ختم ہوا۔
ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ شارٹ ہینڈ لوٹ لکھوانے اور لائنگ
ہینڈ لوٹ بنوانے کے لیے پہلی شارٹ ہینڈ لوٹ بک جلائی گئی۔ تو دوسری
تقریروں کے متعلق کیا ہوا؟ گواہ نے کہا کہ اگر کوئی مجھے محفوظ دے تو میں
جواب دے سکتا ہوں کیونکہ ان کے سلسلے میں عدالت فیصلہ دے چکی ہے
میال عبدالعزیز: دوسرے مقدمے میں جو شہزادہ آزاد کے خلاف ہوا
گواہ پر جرح ہوئی ہے۔ اس لیے گواہ کی درخواست ہے کہ اگر وہ اس کے

متعلق یہاں جو بھی بیان دے گا وہ اس کے خلاف احتمال نہیں کیا جائے گا
اس پر گواہ نے کہا کہ جو شہادت میں نے جہلم میں شہزادہ آزاد کے خلاف دی
بھی وہ پراسیکیوٹنگ انسر کے کہنے پر دی تھی۔

مسٹر سلیم: سوال یہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ دوسری تقریروں سے نوٹوں
کے متعلق کہا گیا۔ گواہ ان پر دستخط بھی تھے۔

جیف حبش: سوال یہ ہے کہ اس نوٹ بک میں دوسری تقریروں
کے نوٹ بھی تھے۔ جب اس نوٹ بک کو حلا دیا گیا تو ان تقریروں کے نوٹوں
کا کیا بنا۔

گواہ: انھیں بھی دوبار لیا گیا اسی لیے تو سات گھنٹے مصروف ہوئے تھے۔
سلیم: جب آپ سید صاحب کی تقریر کے نوٹوں کا ذکر کر رہے تھے
تو دوسری تقریروں کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

گواہ: اس لیے کہ میں پمپکشن لینے کے بعد ہی کر دیں۔
س: جو جو تقریریں ہوئیں کیا ان سب کو دوبارہ نوٹ میں لیا گیا تھا۔
گواہ: جی ہاں۔

س: جب آپ نے ان تقریروں کو دوبارہ کر لیا تو کیا انھیں اصل کے
مطابق یا ان میں بھی تبدیلی کرائی گئی۔

گواہ: اگر مجھے یقین دلا جا جائے کہ اس بیان پر میرے خلاف مقدمہ نہیں

چلے گا تو میں بتا سکتی ہوں۔

میاں عبدالعزیز: یہ حفاظت تو پہلے دی جا چکی ہے۔

گودالا: کچھ لفظ سید عطار اللہ شاہ کی تقریر کے نکال کر شہزادہ آزاد کی تقریروں میں ڈال دیے گئے تھے۔

چیف جسٹس: تاکہ شہزادہ آزاد کو سزا ہو جائے۔ تو کیوں یہ لفظ ان کی تقریر میں ڈالے گئے تھے؟

گودالا: اس لیے کہ اگر ساری تقریر کو بنایا جاتا تو یہ خیال ہوتا کہ بناوٹی ہے۔ شہزادہ آزاد کی تقریر میں سے یہ الفاظ کہ ٹراؤں نے ہزاروں دہائیوں کے کتے خریدے، محال کہ سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے نوٹوں میں ڈال دیے گئے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس ڈائری میں جو جعلی بنائی گئی۔ اگر سارے قابل اعتراض الفاظ ڈالے جاتے تو معلوم ہو جاتا کہ ساری جعلی ہے۔ اس لیے وزارت کے متعلق بھی کچھ حصہ ملا دیا گیا کیونکہ خط میں لکھا ہوا تھا کہ سید عطار اللہ شاہ یونیٹ پارٹی کے خلاف پشیمکڈ کر رہا ہے۔

سٹریم: آپ کا یہ خیال ہوا کہ ایک تقریر کے چند حصے دوسری میں ڈالے گئے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ساری تقریر جعلی ہے۔

گودالا: جعلی نظر نہ ہوا اور دوسرے یہ کارکردگی دکھاتے گئے کہ میں یونیٹ

وزارت کا اتنا اہم درجہ ہوں۔

چیف جسٹس : وہ الفاظ جو شہزادہ آزاد کی تقریر سے نکال کر سپیکٹر رائٹ شاہ کی تقریر میں ڈالے گئے وہ قابل اعتراض تھے یا نہیں۔ گواہ : ہو سکتا ہے۔
چیف جسٹس : جو الفاظ سید صاحب کی تقریر سے نکال کر آزاد کی تقریر میں ڈالے گئے وہ قابل اعتراض تھے یا نہیں۔

گواہ : ہوں گے۔ مجھے پتہ نہیں۔

چیف جسٹس : کیا آپ کے خیال میں دونوں نے قابل اعتراض تقریریں کی تھیں گواہ : نہیں۔

چیف جسٹس : ہو سکتا ہے تمام تقریریں قابل اعتراض نہ ہوں چند الفاظ ہی قابل اعتراض ہوں۔

گواہ : جہاں تک میرا خیال ہے نہیں۔

چیف جسٹس : اگر نہیں تو ایک تقریر کے الفاظ دوسرے کی تقریر کے الفاظ میں کیوں ڈالے گئے؟

گواہ : ایک آدمی لفظ ایک تقریر سے لیا جاتا تھا اور کچھ اپنے پاس سے لایا جاتا تھا۔

مسٹر جسٹس رام لال : یعنی پورے جملے نہیں بلکہ چند الفاظ ہی ملنے ملتے تھے۔ گواہ : جی ہاں۔

سلیم: آپ نے کہا تھا یہ دستخط جو اس کے نیچے ہیں آپ کی موجودگی میں نہیں کیے گئے تو پھر کس نے کیے تھے؟

گھوٹا: یہ ان لوگوں کے دستخط تھے جو میں نے بنائے یا پراکسیوننگ انکپٹر نے مقتول حسین شاہ کو بلایا گیا تھا۔ اس نے اپنے دستخط کیے اور دوسرے فیروز خاں کے نام پر اس نے غورہ تخط کیے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کونسے دستخط کیے تھے۔ لیکن یہ یاد ہے کہ دونوں میں سے ایک میں نے کیے۔

مسٹر سلیم: فیروز خاں کو کیوں نہیں بلایا گیا؟

گھوٹا: وہ مل نہیں سکا تھا۔

سلیم: مقتول حسین کب آیا؟

گھوٹا: جس دن یہ لڑائی تیار کیے گئے اس کے تین چار دن بعد گجرات

سے آیا تھا۔

سلیم: اس دوران میں یہ مبینہ جعلی ڈائری کس کے پاس رہی؟

گھوٹا: پراسیکوٹنگ انکپٹر کے پاس۔

مسٹر حبیش رام لال: آپ کو کب واپس ملی؟

گھوٹا: دس پندرہ دن کے بعد۔

چیف حبیش: جب آپ کو پہلی دفعہ جعلی دستاویز بنانے کے لیے کہا

گیا تو کیا آپ نے پروٹسٹ کیا؟

گھوٹا: جی ہاں میں نے پردسٹ کیا تھا۔ لیکن میرے ساتھ ایک بٹل تھا جس نے ایک دفعہ غلطی کی تھی تو اسے تنزل کر دیا گیا تھا۔

خودکشی کا ارادہ

عجیب حبش: کیا تم نے درخواست میں کہا تھا کہ میں جھوٹی شہادت دینا نہیں چاہتا۔

گھوٹا: اگر میں سمجھتا تو نہ معلوم مجھے کیا دھکے کھانے پڑتے۔ اور نہ معلوم پولیس مجھ سے کیا سلوک کرتی۔ اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے ایک سوال دریافت کرنا چاہا۔ جس پر لدھارام نے کہا کہ میری ایک اور درخواست بھی ہے میں تنبیہ کیے ہوئے تھا کہ شہادت دینے کے بعد خودکشی کر لوں گا۔ اس کے لیے میں نے منکھیا خریدا۔ آپ بے شک اس دکان سے دریافت کر سکتے ہیں میرے والد، میری والدہ اور گھر کے تمام آدمیوں کو اس کا علم ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرے دل میں کیا تھا۔

مسٹر سلیم: یہ تو معمولی بات تھی کہ جھوٹی شہادت نہ دے دو اور خودکشی نہ کرو گھوٹا: جی ہاں معمولی بات تھی لیکن مجھے پتہ تھا اگر وہاں آواز پہنچاتا تو اس عدالت میں بھی جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے پہنچ نہ سکتی۔

مسٹر حبش رام لال: یہ پولیٹیکل پلیٹ فارم نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر

متمقار صنمیر بیدار تھا تو تم نے یہ ارادہ کیوں نہیں کیا کہ سچ بولوں گا۔
گواہ: اسی لیے تو میں اب سچ بولنے پر مجبور ہوا ہوں۔

میال عبدالعزیز: پوزیشن یہ ہے کہ اس وقت پروٹسٹ نہیں کیا
کیونکہ پیٹ کا فوک تھا۔ ماتحت عدالت میں مشکل تھا اس لیے ایڈالت
بالا میں اسے بہت ہو گئی ہے کہ سچ بولے مگر سلیم نے گواہ سے جرح
جاری رکھتے ہوئے پوچھا اس نوٹ بک میں جو آپ کے خیال میں جعلی
ہے کیا بعد میں اور تقریروں کے نوٹ بھی لکھے گئے؟

گواہ: جی ہاں۔ سلیم: پہلے بھی اس میں نوٹ تھے؟
گواہ: مجھے خیال نہیں۔

سلیم: جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی تو کیا آپ کو یہ خیال نہیں
کہ اس کے ساتھ کچھ صفحے لکھے ہوئے تھے؟

گواہ: صفحے تھے جو بھاڑ دیے گئے اور یہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

سلیم: مطلب یہ جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی اس وقت اس
میں شارٹ ہینڈ کے نوٹ تھے۔

گواہ: جی ہاں کچھ لکھا تھا۔

سلیم: یہ نوٹ آپ نے لکھے تھے یا کسی اور نے؟

گواہ: میرے ہی تھے۔ سلیم: بک بھاڑے گئے آپ کی موجودگی میں

سلیم: پھاڑنے کے بعد جو صفحے بچے کیا وہ خالی تھے؟
 گواہ: جی ہاں۔ سلیم: جو صفحے خالی بچے انھیں کیوں نہیں پھاڑا کیا
 گواہ: ان میں تاریخوں کی رد و بدل تھی۔ ان کی تاریخیں بہت پہلے
 کی تھیں۔ اس کے بعد پھر بھی کسی تقریروں کے نوٹ لیے جا چکے تھے یہی
 نوٹ بکس جل چکی تھیں۔

سلیم: آپ نے سید عطاء اللہ بخاری کے نوٹ اسی پر کیوں نہیں لیے
 نئی کاپی کیوں لی؟

گواہ: نئی کاپی اس لیے لائی گئی تھی کہ جعلی رپورٹ بتائی جائے گی۔
 سلیم: گویا یہ شبہ آپ کو تھا۔

گواہ: میرا بھی خیال تھا اور عام طور پر ایسا ہو ہی جاتا ہے۔
 سلیم: گویا شک ہونے پر آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہ کر دینی کتاب لائے
 گواہ: میں نے نہیں کہا تھا۔

سلیم: گویا یہ خیال آپ نے دل میں رکھا؟
 گواہ: نہیں۔ سلیم: اس کا مطلب کیا ہوا؟
 گواہ: خیال تھا کہ اس راز نے کیا نظر ہر ہوتا ہے اس لیے جو بھی
 کاپی آئے اسے لگا لیا جائے۔

سلیم: گویا وہاں بہت سی کاپیاں پڑی ہوئی تھیں۔

گواہ: کورٹ انسپکٹر کے پاس ہمیں انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتی ہیں
 سلیم: مگر آپ کورٹ انسپکٹر کے گھر گئے تھے وہاں کاپیاں پڑی ہوئی
 تھیں۔ گواہ: ہمیں۔ وہاں دیر تک اسٹینوگرافر کو بلایا گیا کہ
 ایک نوٹ بک لاؤ۔

سلیم: کیا اسے بتایا گیا تھا کہ کیوں نوٹ بک لاؤ۔
 گواہ: نہیں۔ سلیم: گویا وہ ایک نوٹ بک لے آیا۔
 گواہ: تین چار نوٹ بک لے آیا۔

سلیم: کیا وہ خالی تھیں؟
 گواہ: کئی خالی تھیں کئی نکھی ہوئی۔
 سلیم: کیا کوئی ایسی جگہ جو بالکل خالی تھی۔ اور جس میں نوٹ بک
 ہوئے نہیں تھے۔

گواہ: میں نے تین کاپیاں دیکھی تھیں۔ ایک کے منعلق پر ایک پورٹریٹ
 انسر نے کہا۔ کہ یہ موزوں ہے۔ میں نے دوسری کو دیکھنے کی ضرورت
 محسوس نہیں کی۔

سلیم: نوٹ بک دکھا کر کہاں سے کاغذ پھاڑ لیے گئے تھے؟
 گواہ: دیکھ کر شروع سے پھاڑ لیے گئے تھے۔
 سلیم: یہ صفحے کس نے پھاڑے تھے؟

گواہ: میں نے خود اس دن پھاڑے تھے۔
 سلیم: آپ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں اور تحریروں کے نوٹ بھی ہیں۔
 وہ جعلی ہیں یا اصلی؟

گواہ: ان میں جعل سازی نہیں کی گئی
 سلیم: آپ نے کہا تھا کہ مدینہ جعلی نوٹ تک جب آپ کے پاس پندرہ
 سو لہ دن کے بعد آئی تو لاناگ ہینڈ نوٹ لکھے تھے۔
 گواہ: جی ہاں۔

سلیم: جو علیحدہ کاغذ پر لاناگ ہینڈ نوٹ لکھے تھے وہ بھی آپ کے حوالے
 کر دیا گیا۔

گواہ: پہلے اسے پولیس اسٹیشن کو بھیجا گیا اور مجھے کہا گیا تھا کہ لاہ موسیٰ
 تھا نہ سے لے آؤ۔ مجھے سپر ٹنڈ نوٹ پولیس نے جانے کا حکم دیا تھا۔
 س: آپ کو وہ لاناگ ہینڈ نوٹ کب ملے؟
 ج: مجھے تاریخ یاد نہیں۔

س: آپ کے پاس کتنے عرصے تک رہے؟
 ج: یہی دو تین دن۔

س: اس کے بعد آپ نے کس کو دیے؟
 ج: عبد الحمید سٹیٹو گرافر تھا نہ گجرات کو۔

س: تاریخ یاد ہے؟ ج: نہیں۔

س: کیا اس دن عطار اللہ شاہ بخاری کی پیشی تھی؟ ج: نہیں۔

س: آپ نے یہ نوٹ عبد الحمید کو دے دیے تو کیا پھر واپس لیے؟

ج: ہاں۔ میں نے واپس لیے۔ ایک اور سوال پر کہا کہ میں مراگیا

وہاں سے چھٹی ملی تب میں واپس آیا۔ اور نقل تیار کر کے اسی دن انھیں

واپس دے دیا۔ س: تاریخ کیا تھی؟

ج: غالباً ۱۰ نومبر۔ س: آپ نے کس کے پاس انھیں دیکھا؟

ج: پراسیکیوٹنگ انچیکر کے پاس۔ انھوں نے مجھے چند حصول کو خط کشیدہ

کر کے دیا اور کہا کہ گواہوں کو یاد کراؤ۔

س: کیا وہ حصے تم نے گواہوں کو پڑھ کر سنائے۔

ج: جس گواہ کے متعلق جو جو حصہ مقرر تھا وہ اس نے لکھ دیا۔

س: کیا اس دن مقدمہ ملتوی ہو گیا تھا۔ ج: جی ہاں۔

س: کیا گواہوں نے کہا ہے کہ ہیں ۱۱۔ نومبر کو بیان بتایا گیا تھا۔ اور

آپ ۱۸۔ نومبر کہہ رہے ہیں۔

ج: مجھے پختہ یاد نہیں۔ یہ تاریخ وہ تھی جب سید عطار اللہ شاہ بخاری

جیل میں رکھکے تھے۔

س: تاریخ ملتوی ہونے کے بعد لاٹک، مینڈ نوٹ کہاں گئے؟

ج: میں نے اسٹینوگرافر عبدالحمید کو واپس کر دیے۔

س: کیا پھر کبھی اس سے واپس لیے؟

ج: نہیں۔ میں نے دوبارہ واپس نہیں لیے۔

س: کسی سے بھی نہیں۔ ج: نہیں۔

س: گویا اس کے بعد آج تک آپ نے کبھی ان لائیک بینڈز کو

نہیں دیکھا۔ ج: جی ہاں دیکھا ہے۔

س: کب؟ ج: جب پر ایکسٹریکٹنگ اسٹیکٹرنے کہا ابھیں دوبارہ

بنانا ہے تاکہ جو جعلی دستخط بنائے ہوئے ہیں ابھیں ٹھیک کیا جائے کیونکہ

شاہد عطار اللہ شاہ بخاری جو کافی بااثر مولوی ہے۔ گواہ غلام حسین اور

رولڈ و سنگھ پر دیا وٹوال نہ لے۔ اس لیے ان دونوں کے دستخط کر دیے

جاتیں۔ س: تاریخ کیا تھی؟ ج: ۲۸ دسمبر تھی۔

س: کس طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ ضرور ۲۸ دسمبر ہی تھی۔

ج: میرا خیال ہے کہ ۲۸ دسمبر ہی تھی۔

لدھارم کی گرفتاری اور ضمانت پر رہائی

کورٹ کا اجلاس ساٹھ تین بجے ختم ہونا تھا۔ اس وقت تین بج کر
۲۵ منٹ ہو گئے تھے۔ آنرہبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی

کہ بتایا کہ لدھارام کی گرفتاری کے دو بلا ضمانت وارنٹ آئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مقدمے میں شہادت کے لیے یہیں لدھارام کی ضرورت ہے استغاثے کو بھی اور آپ کو بھی۔ یہ وارنٹ جن مقدمات کے سلسلے میں جاری کیے گئے ہیں ان کا اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں۔

میاں عبدالعزیز: مالی لارڈ میری یہ درخواست ہے کہ جب تک لدھارام کا بیان ختم نہ ہو جائے اسے پولیس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس دوران میں اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔

چیف جسٹس: کیا یہ مناسب ہوگا کہ اسے جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا جائے۔

میاں عبدالعزیز: نہیں جناب۔ میری درخواست ہے کہ جب تک اس کی شہادت ختم نہیں ہوتی اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔
چیف جسٹس: یہ مقدمہ نہایت سخت ہے اور اس میں اس کی حاضری کی ضرورت ہے

میاں عبدالعزیز: اس کے لیے زیادہ ضمانت لی جاسکتی ہے۔ اگر اس کا بیان کوئی ضمانتی ہوا تو ضمانت دے گا، پانچ دس ہزار جتنی چاہیں ضمانت مانگ لیں۔

چیف جسٹس: پانچ ہزار کی ضمانت طلب کی جاتی ہے (لدھارام سے)

یہاں آپ کا کوئی ضمانتی ہے؟

لدھارام: جی ہاں میں ضمانت دے سکتا ہوں۔

میاں عبدالعزیز: ڈاکٹر عبدالقوی ایم بی بی ایس لاہور لدھارام کی ضمانت دینا چاہتے ہیں۔ ان کی اچھی خاصی پرنکیش ہے اور کافی جائیداد کے مالک ہیں۔ اور ذاتی طور پر بھی میں جانتا ہوں۔

چیف جسٹس: یہ ٹھیک ہے۔ میاں عبدالعزیز ذاتی طور پر بھی

انھیں جانتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: میں ہی نہیں میرے دوست منیر اسٹسٹ ایڈووکیٹ کیٹ جنرل بھی انھیں جانتے ہیں (مہربانہ) اس پر لدھارام کی ضمانت مئی گئی۔ اور اسے رکھا کر دیا گیا۔ شہادت کے دوران میں لدھارام کا بڑا بھائی ابیر حنف نازنگ بھی آیا ہوا تھا۔ جب لدھارام باہر نکلا تو دو تلوں بغل گیر ہوئے۔ لدھارام چپک ۶۶ شمالی ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھا۔ اس وقت سناٹن دھرم لائی اسکول گجرات سے میٹرک پاس کیا۔ ٹی۔ اے وی کالج لاہور میں ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔

لاہور ۲۔ اپریل۔ آج جب احرار لیڈر سید عطار الدشاہ بخاری

کے خلاف چیف جسٹس اور جسٹس رام لال کے رویہ و مقدمہ کی سماعت

مشرودع ہوئی تو پولیس نے ہجوم کے پیش نظر احاطہ عدالت تمام تماشاخیوں سے خالی کرا لیا۔ جس سے تمام ہجوم احاطہ عدالت کے باہر ہو گیا اور جب سید عطار الشاہ بخاری کو جیل سے لایا گیا تو لوگوں نے "احرار زندہ باد" اور سید عطار الشاہ بخاری زندہ باد کے نعرے لگائے آج بھی لدھارام کی شہادت تھی۔ اسے کار پر لایا گیا۔ استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر اسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل اور صفائی کی طرف سے میاں عبدالعزیز ایم ایل اے بار ایٹ لا، دیوان چمن لال بار ایٹ لا، مسٹر کے ایل گابا اور میر عبدالقیوم لائپسوری، میاں عبدالقیوم بیرسٹر پیش ہوئے۔ لدھارام نے بس اس تبدیل کیا ہوا تھا۔ آج اس نے دھاری دار چار خانے والی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ اور کل جو ٹوپی بغل میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کی بجائے ایک اور ٹوپی لی ہوئی تھی، بال بھی آراستہ کیے ہوئے تھے۔ کل کے عکس آج وہ بہت سنجیدہ تھا۔ آج بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی۔ آپ نے چند کاغذات گواہ کو دکھاتے ہوئے دریافت کیا کیا یہ صفحات جن پر ۱۲۲ سے ۱۲۶ تک نمبر ہیں۔ ان پر نوٹ آپ کے ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔

لدھارام: جی ہاں۔ یہ شارٹ ہینڈ اور لائٹ ہینڈ ممبر ہے ہی

ہاتھ کے کچھے ہوئے ہیں۔

مسٹر سلیم: کیا یہ اتنی تقریروں کے نوٹ ہیں جو ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء کو نوٹ کی گئی تھیں۔

ج: اگر کوٹ مجھے تحفظ دے تو میں جواب دے سکتا ہوں۔

مسٹر حبش رام لال: آپ کو جواب دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے
لہذا رام: ان تقریروں کے نوٹ ایک علیحدہ کاغذ پر لکھے گئے تھے۔
جس پر لائیں تھیں اور پین سے لکھا تھا۔

س: تو یہ کیسے تیار کیے گئے؟

ج: یہ نوٹ اس نوٹ بک پر اس وقت تیار کیے گئے جب عازمی
سلطان محمود کے خلاف مقدمہ تیار کیا گیا تھا۔
س: کس تاریخ کو؟

ج: تاریخ مجھے یاد نہیں، مہینہ بھی یاد نہیں غالباً گرمیوں کے دن تھے۔

س: سید عطاء اللہ کی تقریر کے بعد یہ مقدمہ ہوا۔ آپ نے پہلے کہا
تھا کہ ۳۰ جون ۱۹۳۸ء کو سید عطاء اللہ کی تقریر بنائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ
یہ نوٹ اس کے بعد لکھے گئے تھے یا پہلے؟

ج: ٹھیک یاد نہیں کہ یہ نوٹ میں نے کب بنائے تھے۔

س: یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ۳۰ جون کو نہیں بنائے گئے۔

ج : جی ہاں مجھے ٹھیک یاد ہے کہ اس دن نہیں بنائے گئے جب
 سید سلطانہ اللہ شاہ بخاری کی تقریر بنائی گئی تھی۔
 س : سلیم ! کیا یہ نوٹ اس نوٹ بک سے پھاڑے گئے جو آپ کے
 بیان کے مطابق جعلی بنائی گئی تھی ؟

ج : نہیں، یہ نوٹ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے۔
 سلیم ! (وہ نوٹ بک دکھا کر جس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ سید
 سلطانہ اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق جعلی بنائی گئی) کیا اس نوٹ بک
 پر جو صفحات موجود ہیں کہ یہ وہی پھاڑے ہوئے صفحات ہیں۔

ج : میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ وہی ہیں لیکن میں کچھ مزید کہتا چاہتا ہوں
 ۳۱۔ جون کو جب میں پہلے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا تو کچھ ایسے
 صفحات اس نوٹ بک سے پھاڑ دیے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے
 تھے۔ ان میں سے کچھ تو نوٹ بک کے پہلے صفحات پر تھے اور کچھ دوسرے
 صفحات پر۔

چیف جسٹس : آپ کیا مطلب سمجھے ہیں ؟ مسٹر سلیم۔
 سلیم : (آنریبل چیف جسٹس سے) گواہ نے کل اپنے بیان میں کہا
 تھا کہ نوٹ بک کے پہلے صفحات ہی پھاڑے گئے تھے۔ اور اب وہ یہ
 تسلیم کر رہا ہے کہ دوسرے صفحات بھی پھاڑے گئے۔

میاں عبدالعزیز؛ ہمیں مائی لارڈ! گواہ نرمیم نہیں کر رہا ہے جہاں کل اس نے بیان میں کہا تھا کہ چند پہلے صفحات پھاڑنے کے بعد ایسے صفحات رہنے دیے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے تھے۔

چیف جسٹس: وہ بیان کیا ہے؟

میاں عبدالعزیز: وہ بیان میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس پر آپ نے گواہ کا کل کا بیان پڑھ کر سنایا۔

سلیم: یہ نوٹ ایک جو عدالت میں موجود ہے اس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ اس کے کچھ صفحات پھاڑے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے تھے۔ اس پر باقی نوٹ ایک یا کل خالی رہ گئی تھی۔ گواہ نے مزید کہا تھا کہ اس کے بعد اس پر چند تقریریں بھی گئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اہل نوٹ ایک جس میں ۲۸۔ جون کی تقریر درج تھی جلدی گئی تھی تو اس نوٹ ایک میں۔ اسی کی تقریر نہ ہوتی ۲۹۔ جون کے بعد کی تقریریں ہوتیں۔

چیف جسٹس: مٹر سلیم: آپ گواہ سے سیدھے سادے سوال درپٹ کر کے جواب حاصل کریں۔

مٹر سلیم: (گواہ سے) ۲۰۔ جون کو جب آپ نے یہ نوٹ ایک جعلی بنائی جو آپ کے سامنے موجود ہے اس دن کے متعلق آپ نے مزید کہا تھا کہ اس میں چند اور بھی شارٹ ہنڈ نوٹ درج تھے جو آپ نے پھاڑ دیے۔

اور جو ٹوٹ کب جلادی اس کے چند ٹوٹ بنا کر اس نوٹ کب میں درج کیے
 جو عدالت میں موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ۔ ا۔ مئی کی تقریر کے نوٹ
 اس میں نہیں لیے اب بتائیے کہ۔ ا۔ مئی والی تقریر اس میں کیسے آگئی۔
 گواہ: اس نوٹ کب میں جب جعلی نوٹ تیار کیے گئے تو ادھر بھی کئی تقریروں
 کے نوٹ تھے جن کی تعداد میں نہیں جانتا اس میں کئی بہت پرانی تقریروں
 کے نوٹ بھی تھے جنہیں پھاڑ دیا گیا۔ کئی صفحات درمیان سے بھی پھاڑے گئے
 اس طرح سے کئی ایسے صفحات تھے جن پر جگہ اور مقام کا نام نہیں تھا۔ محض
 تقریروں کے کچھ حصے تھے ان صفحات کو رہنے دیا گیا۔ ان پر غلہ منڈی لالہ
 موسیٰ اور۔ ا۔ مئی کی تاریخ طویل دی گئی۔ اس کے بعد غازی سلطان محمود کی
 تقریر جعلی بنائی گئی اور اس کے بعد سید عطار اللہ شاہ بخاری کی جعلی تقریر بنائی
 گئی،

حبش رام لال: گویا پوزیشن یہ ہے کہ جس نوٹ کب پر سید عطار اللہ شاہ
 بخاری کی تقریر بنائی گئی اس پر پہلے بھی کوئی جعلی تقریر بنائی گئی تھی۔
 لدھارام: جی ہاں۔ غازی سلطان محمود کی تقریر سید عطار اللہ شاہ سے ایک
 ماہ پہلے کی تھی۔ اس لیے بخاری کی تقریر اس کے بعد درج کی گئی تاکہ اس کتاب
 پر کوئی شبہ نہ ہو۔
 سلیم: گویا یہ تقریر بھی۔ ۳۔ جون کو بنائی گئی۔

گواہ: جی ہاں، اسی روز پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر اس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی۔

سلیم: آپ نے اپنا بیان بدل لیا ہے اس لیے بتائیے یہ بیان جو آپ نے دیا ہے آخری ہے۔

مسٹر جیسٹس رام لال: دگواہ (سے) تم نے پہلے کہا تھا کہ ۳۔ جون کو یہ تقریر نہیں بنائی گئی تھی اب کہہ رہے ہو کہ ۳۔ جون کو ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر اس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی تھی اور یہ بیان قطعی ہے اور اس پر قائم ہو۔ گواہ: جی ہاں میں اس پر قائم ہوں۔

سلیم: دگواہ (سے) کیا آپ اس پر قائم ہیں کہ اس نوٹ بک سے چند نوٹ پھاڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کو موجود رہنے دیتے تو کچھ تاریخوں کا فرق ہو جاتا۔

گواہ: میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت پرانی تقریریں تھیں انکیا در سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا وہ صفحات کس مطلب کے لیے پھاڑے گئے، البتہ مطلب ایک ان پڑھا آدمی بھی معلوم کر سکتا ہے۔

سلیم: آپ کہتے ہیں کہ اس نوٹ بک میں آپ نے دوسری تقریریں کے علاوہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور آزاد کی تقریریں بنائیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۸۔ جون کو تقریر کی تھی اور دوسری تقریریں ۱۰۔ مئی کی تھیں۔

جب ایک ہی جگہ دو لوگوں کی تقریریں بنا رہے تھے تو یہ کیا بات ہے کہ
۲۸۔ جون کی تقریریں پہلے صحنوں پر آتی ہیں اور ۱۰۔ مئی کی بعد میں۔
چیف جسٹس کی پولیس اسی طرح بیوقوفی سے تقریریں بناتی ہے۔
گواہ: اس سے بھی زیادہ بیوقوفی سے بناتی ہے۔

چیف جسٹس: اگر پولیس عام طور پر جعلی تقریریں ہی بناتی ہے تو پولیس
کو تجربہ ہونا چاہیے۔ وہ اس طرح کی بیوقوفی نہیں کر سکتی۔

میاں عبدالعزیز: گواہ کا بیان ہے کہ پولیس اس سے بھی زیادہ بیوقوفیاں
کر سکتی ہے۔ انہی بیوقوفیوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقریر بنا دی گئی ہے۔
دیوان چمن لال: مائی لارڈ! پوزیشن تو یہ ہے کہ ۱۰۔ مئی کی تقریر بعد میں
نہیں لکھی ہوئی۔

جسٹس رام لال: یہ مسٹر سلیم کہہ رہے ہیں۔
سلیم: میری پوزیشن یہ ہے کہ اگر ۳۰۔ جون کو ہی تقریریں بنائی جائیں
تو کیونکر پہلے کی تقریر بعد میں آ سکتی ہے۔

جسٹس رام لال: گواہ سے دریافت کیجیے کہ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ
نوٹ بک پر ۱۰۔ مئی کی تقریر ۲۸۔ جون کے بعد درج ہوئی ہے۔
گواہ: میں یہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔ گواہ نے نوٹ بک دیکھ کر کہا
جی ہاں ۲۸۔ جون کی تقریر اس تقریر سے پہلے درج ہے جو ۱۰۔ مئی کو ہوئی۔

سلیم: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ اس کی وجہ کے متعلق کوئی تشریح دے سکتے ہیں۔ ج: نہیں، میں کوئی نہیں دے سکتا۔

سلیم: آپ نے ایک تقریر اس نوٹ بک میں لکھی جو ۹ جولائی کو لی گئی۔ جو ان درقول پر جو میرے ہاتھ میں ہیں درج ہے۔ ان کے منبراء سے، آٹک ہیں۔ گولا: جی ہاں یہ ایسا ہی ہے اور میں نے ہی انھیں دکھا تھا۔

سلیم: کیا یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی کتاب سے نکالے گئے ہیں۔ جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر درج کی گئی۔ گولا: نہیں۔ مسٹر سلیم: (مجسٹریٹ کے دستخط دکھا کر) کیا ان دستخطوں کو دیکھ کر بھی آپ یہی کہتے ہیں۔

گولا: جی ہاں اس کے باوجود میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم: اب دیکھیے اس نوٹ بک کا آخری صفحہ: ۷ ہے اور اس پر ایک مجسٹریٹ کے دستخط ہیں کہ ۷ سے ۱۱ تک کے صفحات کی جیکم مناسنگ کے مقدمہ میں ضرورت ہے اس لیے انھیں پھاڑا گیا۔ کیا اس پر بھی آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفحات اس نوٹ بک سے نہیں پھاڑے گئے۔

گولا: جی ہاں میں اب بھی یقین سے کہتا ہوں کہ اس نوٹ بک سے یہ صفحات نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم: میری پوزیشن یہ ہے کہ آپ اس واسطے یہ ماننے کے لیے تیار
 نہیں کہ آپ اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ ۱۔ مئی کی تقریر آپ نے
 ۲۸۔ جون کے بعد کیوں درج کی، کیا یہ درست ہے؟

ج: نہیں میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ نوٹ بک ادرتین چار اور نوٹ بک
 میرے بکس میں تھیں۔ یہ نوٹ بک حکیم مناسنگھ کی تقریر کے متعلق تھی۔ اس پر
 گواہوں کے دستخط نہیں تھے۔ یہ بکس میں گجرات میں اپنے کارڈ میں چھوڑ آیا تھا۔
 جس کا میں نے کل ذکر کیا تھا۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

میاں عبدالعزیز: اگر استغاثہ کا یہ کہیں ہے کہ یہ نوٹ بک جو عدالت میں پیش
 کی گئی ہے اور جس پر ۱۰۔ مئی کی تقریر ۲۸۔ جون کے بعد درج ہے درست ہے
 اور یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی میں سے لیے گئے تو یہ دلیل بجائے خود ثابت
 کرتی ہے کہ یہ ڈائری بنا دی ہے، کیونکہ طریقے کے مطابق یہ تقریر بعد میں ہوئی
 چاہیے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یا تو ۱۰۔ مئی والی تقریر بنا دی ہے
 یا ۲۸۔ جون والی۔

جسٹس رام لال: لیکن اس پر ایک مجسٹریٹ کی بھی تصدیق ہے جس نے دستخط
 کیے کہ یہ صفحات اس ڈائری سے لیے گئے۔ لہذا رام کے اس بیان کے بعد سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ کیا مجسٹریٹ بددیانت تھا یا اس سے دھوکا کیا گیا۔
 میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں مجسٹریٹ کو بددیانت نہیں کہتا۔ عام طور
 پر ایسا ہوتا ہے کہ پولیس والے مجسٹریٹ کو جو کچھ بتاتے ہیں اسے مان کر مجسٹریٹ
 دستخط کر دیتا ہے۔

حبش رام لال: نہیں مسٹر عبدالعزیز اب بھی یہی سوال ہے کہ کیا مجسٹریٹ
 نے بددیانتی کی یا اس سے دھوکا کیا گیا۔ آپ کا بیان ہے کہ مجسٹریٹ کو آسانی
 سے دھوکا دیا جاسکتا ہے آپ دونوں میں سے ایک بات کیوں نہیں سمجھتے۔

ج: مائی لارڈ میری یہی پوزیشن ہے کہ مجسٹریٹ سے دھوکا کیا گیا۔
 حبش رام لال: (لدھارام سے) کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پولیس نے
 ہتھارے کچس میں سے ایک نوٹ بک نکال کر چند صفحات پھاڑ لیے اور اس
 پر غلط اندراج کر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرائے اور
 تصدیق کے دستخط کرائے۔

لدھارام: جی ہاں میری یہی پوزیشن ہے۔
 سلیم: یہ بیان آپ اپنے ظلم سے کہہ رہے ہیں یا آپ کا خیال ہے۔
 ج: میں اپنے خیال سے کہتا ہوں۔

حبش رام لال: (گواہ سے) یہ صفحات جو ہمارے سامنے ہیں صفحہ اسے
 شروع ہوتے ہیں اور کتاب کا آخری صفحہ ۷۰ ہے۔ کیا ہتھارا خیال ہے کہ یہ

اتفاق سے ہو گیا ہے۔

ج: جی ہاں یہ اتفاق ہی ہے۔

س: سلیم: کیا یہ بھی اتفاق ہے کہ جب میں نے غازی سلطان محمود کی تقریب کے متعلق چند صفحات جو ۱۱۲ سے شروع ہوتے ہیں ان پر ایک محبہ طریٹ کی تصدیق دکھائی تھی اور کتاب میں صفحہ کا نمبر ۱۱۱ دکھایا تھا۔
لدھارام: ممکن ہے اتفاق ہی ہو۔

میاں عبدالعزیز کی درخواست

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے فاضل جہان سے درخواست کی کہ گواہ کے بیان کے مطابق جن کتابوں سے یہ صفحے چھڑائے گئے وہ عدالت میں پیش کی جائیں۔

حبس رام لال: وہ یہاں ہی ہیں۔ آپ کو جب جوابی جرح کے لیے ضرورت ہوگی آپ دیکھ سکتے ہیں۔

مسٹر سلیم: (گواہ سے) ۲۔ جون کو جب آپ نے جعلی تقریریں بنانی شروع کیں آپ نے اس کے متعلق کہا تھا کہ اس کتاب میں کچھ صفحے پہلے لکھے ہوئے تھے جو چھڑا دیے گئے۔ کیا اس میں کچھ کاغذ خالی رہ گئے تھے۔
ج: جی ہاں کچھ تقریروں کے نوٹ رہ گئے تھے۔

س: وہ کن تقریروں کے نوٹ تھے؟ ج: مجھے یاد نہیں۔

س: انھیں کیوں رہنے دیا گیا۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو معلوم ہوگا۔

سلیم: گویا آپ کو کچھ بھی نہیں پتہ کہ انھیں کیوں بھاڑا گیا۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو پتہ ہوگا۔ میں جو غیر لازم ہوں مجھے کیا پتہ ہو سکتا ہے

سلیم: آپ نے کل بتایا تھا کہ کاغذ بھاڑنے کے بعد باقی سالے صفحات

خالی رہ گئے تھے۔

میاں عبدالعزیز: فاضل حجام سے ہنگامائی لارڈ اس نے بعد میں ہی کہا

تھا کہ چند صفحات کھٹے ہوئے رہ گئے تھے۔ اور یہ اس نے اور سوال میں واضح کر دیا۔

سلیم: (گواہ سے) میں اس سوال کا جواب مختصر چاہتا ہوں کہ آپ نے کل

میرے سوال کے جواب میں کیوں کہا تھا کہ باقی صفحات خالی رہ گئے تھے۔

گواہ: میرا مطلب یہ تھا کہ ان صفحات کے ایک طرف کھٹا ہوا تھا اور دوسری

طرف خالی تھے۔

سلیم: کل آپ نے کہا تھا کہ ۱۸ نمبر کو میں نے تقریر کے لائنگ ہینڈ نوٹ

گواہوں کو پڑھ کر سنائے اور انھوں نے نوٹ لکھ لیے۔ اگر آپ نے ۲۸ جول

کو شہادت دی ہوتی تو کیا آپ کی منشا تھی کہ استغاثہ کی تائید کرتے۔

میاں عبدالعزیز: مہر سلیم! اس نے یہ بتیں کہا تھا کہ گواہوں کو نوٹ

پڑھ کر سنائے گئے اس نے کہا تھا کہ انھوں نے نوٹ لکھ لیے۔
 چیف جسٹس: تم سمجھتے ہو کہ یہ لائٹ ہینڈ نوٹ جعلی تھے۔ سوال یہ ہے
 کہ کیا تم نے گواہوں کو بتلادیا تھا کہ یہ تقریروں کے جعلی نوٹ ہیں۔
 گواہ: جی ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ نوٹ جعلی ہیں اور وہ نہیں۔ ایک اور
 سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ نوٹ جعلی ہیں بلکہ محض یہ
 کہا کہ یہ وہ نوٹ نہیں۔

جسٹس رام لال: تم نے جعلی کیوں نہ کہا۔

گواہ: اگر میں اتنا وہ ڈرجا تے۔

سلیم: اگر اس روز مقدمہ ملتوی نہ ہوتا تو کیا آپ استغاثہ کی تائید کرتے

گواہ: میں سچ سچ کہہ دیتا۔ سلیم: گواہوں کو کیوں نہیں کہا۔

گواہ: اگر گواہوں سے کہتا تو پولیس نہ معلوم مجھ سے کیا سلوک کرتی۔

چیف جسٹس: کیا یہ گواہ اس وقت موجود تھے جب تقریر ہوئی تھی۔

گواہ: بعد میں مجھے ملے تھے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ تقریر

شروع ہونے والی تھی۔ اس لیے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔

چیف جسٹس: کیا بہتین مکمل طور پر یاد نہیں وہ جلسے میں تھے یا نہیں۔

گواہ: مجھے جلسے سے چند قدم کے فاصلے پر جلسے کے بعد مل گئے تھے۔

چیف جسٹس: کیا ان گواہوں کو معلوم تھا کہ تم جو کچھ کھڑے ہو وہ درست ہے

یا نہیں۔

گواہ: جی ہاں انھیں معلوم تھا کہ یہ نوٹ درست نہیں۔ یہاں تک کہ مقبول
حسین نے کہا تھا کہ اگر روٹی کا سوال نہ ہو تو میں ایسا نہ کروں۔

سلیم: آپ نے کہا ہے کہ ۱۸۔ نومبر کو اگر کارروائی ملتوی نہ ہوتی تو میں سچائی
ظاہر کر دیتا۔ تو پھر آپ نے سچ بولنے کا فیصلہ کب کیا۔

گواہ: جب گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ چلانے کی منظوری دی گئی اسی
وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں سچ کہوں گا۔

سلیم: آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا میں پہلے بھی کئی مقدموں میں جھوٹی
شہادتیں دے چکا ہوں۔ گواہ: جی ہاں ہے۔

حبش رام لال: اس ہائی کورٹ کے سوائم نے کسی اور جگہ کبھی سچی شہادت
دی۔ (مفتی) اس مرحلے پر گواہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر کہا
ہر ایک شخص جانتا ہے کہ محکمہ پولیس میں جھوٹ سے ہی کام لیا جاتا ہے

چیف جسٹس: یہ کہہ کر تم اپنے آپ کو بہت بڑا جھوٹ بولنے والا بیان
کر رہے ہو۔ (مفتی)

گواہ: اگر میں ایسا ہوتا تو یہاں آکر سچ نہ بولتا۔

سلیم: تم یہ مانتے ہو کہ تم پہلے مقدمات میں جھوٹ بولتے رہے ہو تو اس
مقدمے میں سچ بولنے کا ارادہ کیوں کیا؟

گواہ: پہلے مقدمات بالکل معمولی بنائے جلتے تھے۔ مثلاً دفعہ ۱۰۸ یا ۱۵۳ لیکن اس مقدمے میں ۱۲۱-۳۰۶-۱۱۷-۱۵۳ دفعات بنائی گئی ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو سوچا کہ اس طرح تو لازم ساری عمر جیل میں بسر کرے گا۔ یہ الزامات نہایت سنگین بنائے گئے ہیں اس لیے میں نے سچ بولنے کا ارادہ کیا تھا۔

سلیم: آپ کو معلوم ہے کہ مقدمے کی منظوری کب دی گئی۔

گواہ: مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ غالباً ستمبر میں میں نے فیصلہ کیا تھا۔

سلیم: جب آپ نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت مقدمہ کی کوئی تاریخ مقرر ہوئی تھی یا نہیں۔

گواہ: نہیں۔ میں نے مقدمے کی سماعت سے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا۔

حقیہ ر جسٹ

سلیم: اس مقدمے کی جو چٹھیاں تھیں وہ سب کی سب آپ نے نقل کر لیں یا چند ایک کو ہی نقل کیا۔

ج: اور بھی کئی خط تھے جن کی نقلیں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے حقیہ ر جسٹ میں ہیں جسٹس رام لال: اس جسٹس کا کیا نام ہے؟

ج: حقیہ ر جسٹ۔

جسٹس: کیا اس پر کھلے کہ حقیہ ر جسٹ ہے۔

ج : اس پر ایک ٹائپ شدہ چٹ لگی ہوئی ہے جس پر لفظ خفیہ درجہ رکھا ہوا ہے
 سلیم : ایک ہی درجہ رکھا یا کئی تھے ؟
 ج : کئی ایک درجہ رکھے جو درجہ میں نے دیکھا وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ریڈر
 کے پاس تھا۔ سلیم : کیا وہ ایک ہی درجہ رکھتا ہے ؟
 ج : یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی مرضی پر منحصر ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔
 س : آپ نے جس درجہ سے نقل کی وہ ایک ہی تھا۔
 ج : جی ہاں میں نے جس درجہ سے نقل کی وہ ایک ہی تھا۔
 س : اگر آپ کو وہ درجہ دکھایا جائے تو پہچان لو گے ؟ ج : جی ہاں۔
 س : اس کی پہچان کیا ہے ؟
 ج : یہ درجہ سفید قل اسکیپ کے کاغذوں سے بنا ہوا ہے اور مجلہ ہے۔
 اس پر سبز رنگ کی جاپانی چھینٹ ہے۔ اس پر در سلیم نے ایک درجہ اسٹنٹ
 پرائیویٹنگ اینڈ گجرات سے جو ان کے نزدیک ہی بیٹھے تھے لے کر گواہ کو
 دکھایا اور پوچھا کہ کیا یہی وہ درجہ ہے ؟

درجہ ہے ہی نہیں

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز ذکیل صفائی نے اٹھ کر فاضل جہان سے کہا،
 میری درخواست ہے کہ یہ درجہ بہت مفید ہے لیکن اسے ایک پرائیویٹنگ

انکسٹریاں دلایا ہے۔ یہاں پر رجسٹر مکمل حالت میں ہے اس پر کوئی کوڑ نہیں
 نہ ہی سر مہر ہے یہ کیسے خفیہ رجسٹر ہو سکتا ہے؟
 چیف جسٹس: ہم نے اسے ابھی دیکھا ہے۔ اس میں وزیر اعظم کا کوئی خط
 نہیں۔

میاں عبدالعزیز: کیا یہ وہی خفیہ رجسٹر ہے جو آپ نے طلب کیا تھا؟
 چیف جسٹس: استغاثہ کی پوزیشن میرے خیال سے یہ ہے کہ گواہ نے جس
 رجسٹر کا ذکر کیا وہ ہے ہی نہیں اور آپ کو اس پوزیشن کا علم ہونا چاہیے کیا
 آپ کا خیال ہے کہ پولیس یہ اگر کہے گی کہ اس کے پاس وزیر اعظم کا وہ رجسٹر
 ہے جس میں وزیر اعظم کے اس خط کی نقل موجود ہے جس میں پولیس کو ایک
 خلاف قانون بات کرنے کو کہا گیا۔

میاں عبدالعزیز: مجھے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس مطلب کا کوئی
 بیان ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا رجسٹر
 ضرور ہوتا ہوگا کہ جس میں بڑے امیروں کی چٹھیوں کے اقتباسات رکھے جاتے
 ہوں گے۔ جسٹس نے عدالت کے استفسار پر پراسیکیوٹنگ امیروں سے دریافت
 کر کے (جو عدالت میں موجود تھا) بتایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ اس قسم کا کوئی
 رجسٹر موجود نہیں ہے۔

چیف جسٹس: (میاں عبدالعزیز سے) اگر یہ فرض محال کوئی چٹھی وزیر اعظم

کی طرف سے وصول بھی ہوئی ہو تو اس خطرناک چٹھی کی نقل رکھنے سے
کیا مقصد اس چٹھی کو ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔

میاں عبدالعزیز: مانی لارڈ! میں اس مرحلے پر زیادہ وضاحت نہیں
کرنا چاہتا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس گواہی دینے کے لیے آرہے ہیں۔

خط کہاں رکھے جاتے ہیں

چیف جسٹس: مسٹر سلیم کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ خفیہ خطوط کہاں رکھے
جاتے ہیں۔

مسٹر سلیم: ان کا ذکر اس رجسٹر میں جو عدالت میں موجود ہے ہوتا
ہے۔

چیف جسٹس: ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ خطوط جو خفیہ نوعیت کے ہوتے
ہیں کہاں رکھے جاتے ہیں

عبدالعزیز: مانی لارڈ پولیس کا محکمہ انتظامیہ ہے اس میں کمی خفیہ
بدایات ہوتی ہیں آپ کا محکمہ جوڈیشل ہے آپ کوئی بات خفیہ نہیں
رکھتے۔

چیف جسٹس: مگر ایسے خطوط کی نقل تو ہونی چاہیے ہم تو ہر چیز
دامع رکھتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر مانی لارڈ آپ دوسروں کے متعلق اپنی ذات
کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں۔

چیف جسٹس: ہم سب کچھ دریافت کریں گے۔
 میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ اسی کی تو مجھے آپ کی ذات سے توقع

ہے۔
 چیف جسٹس: مسٹر سلیم کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ گجرات کے تھانہ
 میں کوئی ایک جیسٹریٹ جس میں وہ حقیقہ خطوط ہوں جو سپرنٹنڈنٹ پولیس
 کے پاس رہتے ہوں۔

رپورٹنگ سسٹم

اس مرحلہ پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ کیا حکومت رپورٹنگ سسٹم کو
 بہتر نہیں بنا سکتی۔ تاکہ اس سسٹم کے الزامات کی نوبت ہی نہ آسکے۔
 جسٹس رام لال: آج سے کچھ سال پہلے تو یہ سسٹم تھا کہ جب نوٹ
 بکیں رپورٹر کو دی جاتی تھیں تو ان کا باقاعدہ اندراج کیا جاتا تھا صفحہ
 لگا کر دیے جاتے تھے ممبر گائے جاتے تھے پھر جب تقریر رپورٹ
 ہو جاتی تھی تو اس نوٹ کو سر لمپر کر دیا جاتا تھا۔
 چیف جسٹس: یہ سسٹم اچھا تھا، حکومت کو یہ سسٹم طے میں بھی رائج
 کرنا پڑے گا۔

سلیم: مائی لارڈ یہ ٹھیک ہے۔ (گواہ سے) جو چٹھیاں آپ نے
 اس مقدمہ میں نقل کی تھیں یا باقی جو چٹھیاں آپ نے جسٹریٹس کو بھیجیں تھیں
 بھی نقل کیا۔

گوالا: نہیں دوسری چٹھیاں پہلے مقدمات کے متعلق تھیں۔

پرنسپل اسٹنٹ کا خط

سلیم: جب آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ سچ بولیں گے تو اس سے پہلے ان چٹھیوں کی نقلیں آپ کے پاس تھیں۔
گوالا: جی ہاں میں نے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق اپنے پاس رکھی تھیں۔

چیف جسٹس: اگر یہ خط درست ہے تو یہ خط سپرنٹنڈنٹ پولیس نے وزیراعظم کے پرنسپل اسٹنٹ کو خط لکھا کہ تقریروں کے نوٹ بنالیے گئے ہیں لیکن یہ وزیراعظم کا خط نہیں۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں یہ اس خط کی نقل ہے جو پرنسپل اسٹنٹ وزیراعظم کو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے لکھا۔

اس پر گواہ نے ایک نقل دکھائی جس میں ہدایت تھی کہ کسی باعتبار رپورٹر کو کہو کہ اس کی تقریر نوٹ کر کے آپ کے سامنے پیش کرے ممکن ہو تو بہت کشادہ الفاظ لکھے جائیں۔

سلیم: یہ نقلیں لینے اور انہیں اپنے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی ج: دوسرے مقدمات میں بھی یہی کرتا تھا۔

سلیم: آپ نے بیان کیا ہے کہ کچھ اور خط دیکھے ان کی نقلیں کیوں نہیں رکھیں؟

گوا لا: میں نے ان کی نقیبیں نہیں لیں۔ کیونکہ ان کا مطلب حل ہو چکا تھا۔ یہ سزا عرس کبھی کبھی ہفتیں اور ان کا وقت گزر چکا تھا۔

سلیم: کیا ان کا کام ختم ہو چکا تھا؟

گوا لا: ہنیں۔

سلیم: تو پھر آپ نے انھیں کیوں نقل نہیں کیا؟

گوا لا: وہ میرے متعلق نہیں تھیں۔

جبش رام لال: وہ بھی تو سید عطار اللہ شاہ بخاری کے کسے متعلق

تھیں پھر تم نے انھیں نقل کیوں نہیں کیا؟

گوا لا: وہ کام کسی اور کو کرنا تھا۔

سلیم: جب تھیں پتہ تھا کہ وہ بمحارے متعلق نہیں تھیں تو پھر کیوں

دیکھا؟

گوا لا: میں ریڈر کے پاس جاتا تھا جس پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر

ہدایت دیتے تھے کہ اسے دکھاؤ، ریڈر مجھے رجسٹرڈ دیتا تھا اور

پراسیکیوٹنگ انسپکٹر دوسرے کمرے میں چلے جاتے تھے اس لیے میں دوسرے

مضمون بھی دیکھ لیتا تھا۔

بادل کس پر برسے گا

سلیم: آپ دوسرے خطوط کیوں دیکھتے تھے؟

گوا لا: اس لیے کہ یہ بادل مجھی پر برسے والا ہے یا کسی اور پر؟ (دہقہ)

سلیم : جس وقت آپ نے یقین کی بھینس آپ کا ان کو استعمال کرنے کا ارادہ بھایا نہیں۔

ج : میرا کوئی خیال نہیں تھا کہ ان کا عدالت میں استعمال ہو سکتا ہے۔
 س : جب آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اس مقدمہ میں سچ بولوں گا تو کیا کسی کو بتایا کہ آپ اس مقدمہ میں جھوٹی شہادت نہیں دیں گے۔
 ج : میں نے کسی کو نہیں بتایا۔

س : جب آپ نے شہادت دی تھی اس وقت کسی کو بتا چکے تھے کہ میں جھوٹی شہادت نہیں دوں گا۔
 گواہ : میں استغفہ لکھ چکا تھا۔

سلیم : میرا مطلب یہ ہے کہ کیا کسی کو بتا چکے تھے۔
 گواہ : نہیں، لیکن میں نے استغفہ لکھ دیا تھا۔ اس مرحلے پر میرا عبدالعزیز کچھ کہنے کے لیے اٹھے لیکن چیف جسٹس نے کہا سٹر عبدالعزیز سلیم ابھی سوال دریافت کر رہے ہیں ابھی آپ کی ضرورت نہیں اس پر میرا عبدالعزیز بٹھ گئے اور سٹر سلیم نے جرح جاری رکھی۔
 سٹر سلیم : (گواہ سے) کیا تم نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے۔

ج : ایسا کون تھا جس کو بتانا۔

س : گواہ جس دن آپ پیش ہوئے اس دن شاہ صاحب اور ان کے وکیلوں کو معلوم نہیں تھا کہ آپ استغاثہ کی حمایت میں شہادت نہیں دیں گے۔

گواہ: میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔
 حبیب رام لال: جہاں تک ہمیں علم ہے کیا شاہ صاحب ان کے وکیلوں
 کو معلوم نہیں تھا کہ تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے۔
 گواہ: نہیں۔

چیف جسٹس: کیا تم اتنی دیر تک سوچتے رہے کہ یہ سچ بولیں یا نہیں (تہقہہ)
 گواہ: میں محض سوال کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔
 سلیم: عدالت میں شہادت دینے سے پہلے کیا آپ نے کسی کو کہا تھا کہ
 میں استغاثہ کے حق میں شہادت نہیں دوں گا۔
 گواہ: ہاں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا۔

سلیم: شہادت دینے سے پہلے خطوط کی یہ نقلیں جو عدالت میں پیش ہیں
 کیا آپ کے پاس تھیں؟
 گواہ: جی ہاں یہ میرے پاس تھیں۔

سلیم: یہ نقلیں آپ کے پاس کب سے تھیں؟
 ج: جس دن میں نے ۱۸ دسمبر کو استغاثے لکھا تھا اس دن سے میری حبیب
 میں ہیں تاکہ تسلی رہے۔

سلیم: جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے چند کاغذات دیوان
 چمن لال کو دئے وہ کیا تھے؟
 گواہ: وہ ایک رقعہ تھا۔

سلیم: (ایک کاغذ دکھا کر) کیا یہی ہے۔

گواہ: جی ہاں۔

سلیم: کیا اس سلسلے میں شہادت سے پہلے ان سے ملے تھے؟
گواہ: نہیں۔ میں نے یہ جیٹھی بھی عدالت کے کمرے میں لکھی تھی۔ اس
مرحلے پر جسٹس رام لال نے گواہ کا پہلا بیان پڑھ کر سنایا جو اسی واقعے سے متعلق تھا
سلیم: آپ نے تو پہلے کہا تھا کہ آپ نے سارے کاغذات دیوان چمن لال
کو دے دیے تھے

گواہ: نہیں۔

لنچ کے بعد بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی۔ آپ نے گواہ سے دریافت
کیا۔ آپ نے گجرات میں اسے ڈی ایم کی عدالت میں شہادت دی کیا یہ درست
ہے گجرات میں ٹیکسی پر پہنچے۔
ج: جی ہاں میں لاہور سے ٹیکسی پر آیا۔

س: کیا کرایہ ادا کیا۔

ج: جی ہاں ادا کیا۔ میں نے ۲۵ روپے ادا کیے۔

س: یہ روپے اپنی جیب سے خرچ کیے یا کسی سے لے کر۔

ج: اپنی جیب سے۔

س: یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ استغفار دینے والے تھے اور آپ کی

ملازمت ختم ہو جائے گی۔ آپ نے کیوں یہ خرچ کیا۔

ج: ملازمت کے وقت بھی میں گھر سے اپنے اخراجات کے لیے روپیہ
منگوا لیتا تھا۔

س: اگر ٹرین کے ذریعے آتے تو کتنا صرف ہوتا۔
ج: بارہ آنے۔

س: ٹیکسی سے کیوں سفر کیا؟

ج: ۸۔ جزیری کو مجھے ریلوے اسٹیشن پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ جہلم سے بمبارے وارنٹ جاری ہوئے ہیں۔ بمبارے گھر ایک سپاہی بھیج دیا ہے جو تعیل کر کے یہیں لائے گا۔ اسے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وارنٹ تعمیل کے بغیر ہی لے آئے۔ اس لیے فکر نہ کرنا۔

س: وارنٹ کس مطلب کا تھا۔

ج: احمد دین کے مقدمے کے خلاف مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ سید عطار اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ ملبا ہو رہا ہے اس لیے ہم نے بمبارے خلاف وارنٹ جاری کر لیے ہیں۔ تاکہ عدالت کو دکھایا جائے کہ ہم اس مقدمے کے متعلق کس قدر محنت سے کام لے رہے ہیں۔

س: یہ وجہ نسلی بخش نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے ٹرین سے سفر کیوں نہیں کیا۔

ج: پولیس کے ڈر سے۔

س: ابھی آپ نے کہا تھا کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ کوئی فائدہ کرو
ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے یہ بھی کہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ جو مینی
چھٹی طے فوراً چلے جاؤ تاکہ بمباری عین حاضری میں جعلی ڈائری تیار کی جائے۔
س: ٹیکسی کے لیے روپیہ کس سے لیا تھا؟ باپ سے یا ماں سے؟

ج: میں اپنے والد سے روپیہ منگواتا تھا۔
 س: آپ کے والد کیا کام کرتے ہیں؟
 ج: زمینوں کی پٹہ داری کرتے ہیں۔
 حبش رام لال: آجکل کتنی زمین آپ کے باپ نے پٹے پر لی ہوئی ہے۔
 ج: قریباً آٹھ یا نو مربع زمین۔
 س: اس کے سوا آمدنی کا اور کیا ذریعہ ہے؟
 گنگا لال: گاؤں میں اپنی دکان بھی ہے۔
 س: تو گویا تم اپنی آمدنی سے دس بارہ روپے زیادہ بھی خرچ کرتے تھے۔
 ج: جی ہاں۔
 س: پھر لاری پر کیوں نہیں گئے ٹیکسی پر کیوں گئے؟
 ج: لاری ایک قوت پر نہیں پہنچتی دوسرے خیال یہ تھا کہ ٹیکسی عدالت کے دروازے پر لے جانے لگی۔
 س: جب یہاں شہادت دینے کے لیے آئے کہاں سے گئے؟
 ج: ہر دو ار سے آیا۔
 س: ہر دو ار کتنا عرصہ رہے؟
 ج: ڈیڑھ دو ماہ رہا۔
 س: ماتحت عدالت میں شہادت دینے کے بعد ہر دو ار چلے گئے۔
 ج: جی ہاں۔ س: فوراً چلے گئے؟
 ج: نہیں۔ شہادت دینے کے دوسرے دن۔

س: کب واپس آئے؟

ج: کل ہی صبح کی گاڑی پر۔

س: اس دوست کو جس کا نام آپ بتیں جانتے اور جسے آپ خواہہ کہتے ہیں وہ آپ کو ہر دو ار میں لاکھا یا کسی اور جگہ۔

گواالا: نہیں، وہ مجھے لاہور میں لاکھا۔

سلیم: تو آپ اس سے پہلے اس سے نہیں جانتے؟

گواالا: جانتا ہوں س: کب سے؟

”بیس پچیس روز سے۔“

س: آپ کہتے ہیں کہ آپ ہر دو ار میں ہی ڈیڑھ درماہ رہے پھر وہ آپ

سے کب ملا؟

ج: وہ ایک محکمہ میں ملازم ہے اور ہر دو ار کی طرف ہی ملازم ہے۔

س: تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کو ہاں ہی ملا۔

ج: جی ہاں ریلوے اسٹیشن پر ملا۔ وہ ہر دو ار کے نزدیک ایک اسٹیشن

پر ملازم ہے لیکن پنجاب کا رہنے والا ہے۔

س: اس سے کب واقفیت ہوئی؟

ج: اکثر دواں ملتا رہتا تھا؟

س: وہ کس اسٹیشن پر ملازمت کرتا ہے۔

ج: اس نے مجھے رائے سی اسٹیشن بتایا تھا۔

س: کیا وہ ہر دو ار سے آپ کے ساتھ آیا؟

ج: ہنیں وہ پہلے چھٹی پر لاہور آیا تھا۔

س: جب آپ یہاں آئے تو کیا آپ نے اس کے ملنے کا وقت مقرر کر لیا تھا
ج: میں نے اسے کہا تھا کہ بائی کورٹ میں میری شہادت ہوگی اس لیے
وقتاً فوقتاً پتہ کرتے رہنا۔

حبش رام لال: گویا تم اخبار پڑھتے رہے کہ تم نے مقدمہ میں پیش ہونا
ہے۔ گواہ: جی ہاں۔

حبش رام لال: گویا تم اخبار میں پڑھتے رہے کہ تم نے مقدمہ میں پیش ہونا ہے
گواہ: جی ہاں۔

سلیم: کیا آپ نے خواجہ کو کہا تھا کہ وہ آپ کو بتائے کہ اس مقدمہ میں
آپ کی شہادت کب ہوگی؟ گواہ: نہیں۔
س: ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ میں نے اسے کہا تھا کہ میرا خیال رکھنا کہ میری
شہادت کب ہوگی۔

گواہ: نہیں میں نے محض یہ کہا تھا کہ وہ دیکھے میری شہادت کب ہوگی
س: کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ مہتیں ملے۔ ج: ہنیں۔

س: کیا آپ نے عام طور پر لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ میں ہر دو دربار ہوں
ج: میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا میں تو اپنی جان بچا کر جا رہا تھا۔

س: آج آپ نے بیان دیا ہے کہ جب ستمبر میں مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کے
خلاف مقدمہ چلایا جانے والا ہے تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سچ بولوں گا۔
لیکن ماتحت مجسٹریٹ کی عدالت میں کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ ایک بے گناہ کو

بھنسیا جا رہا ہے تو سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

س: ان دونوں بیانات میں سے کونسا درست ہے؟

ج: مجھے ہمیشہ یہ خیال آتا رہتا تھا کہ سچ بولوں۔

س: (چند کاغذات دکھا کر) آپ نے جو لائگ ہنڈ نوٹ تیار کیے تھے

کیا یہ اسی کی کاپی ہے۔ ج: جی ہاں۔

س: اس کا اصل کہاں ہے؟

ج: میں کہہ چکا ہوں کہ اصل پر ایسیکو ٹنگ انسپکٹر کے پاس ہے۔

س: سوال یہ ہے کہ جب اصل لائگ ہنڈ نوٹ جو آپ نے کل کے بیان کے

مطابق خط کشیدہ کر کے آپ کو دکھایا تھا اور اسے دیکھنے کے بعد سپرٹنڈنٹ پولیس نے ریڈر کو دے دیا تھا تو کیا اسے دوبارہ دیکھا تھا۔

ج: نہیں میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔

س: آپ کہتے ہیں کہ کورٹ انسپکٹر نے کہا تھا کہ اس کی نئی کاپی بنائی جائے

تاکہ اس پر گواہوں کے دستخط کرائے جائیں۔ یہ کب ہوا؟

ج: ۲۸ دسمبر کو پر ایسیکو ٹنگ انسپکٹر کے مکان پر

س: اس وقت اس کے پاس اصل نہیں تھے۔

ج: ہتھیں مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا۔

س: کیا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کا اصل کہاں ہے؟

ج: یہ سوال پیدا ہوا تھا۔

س: انھوں نے کیا کہا تھا کہ اصل کہاں ہے۔

ج: انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت موجود نہیں۔ اگر ہوتا تو نقل بنائی جاتی۔
 تھانہ میں ریڈر کے پاس کل بمقاری حاضری ہے اس لیے واپس ہو جاؤ۔
 س: تو پھر اصل کو نئے سرے سے بنانے اور گواہوں کے دستخط بنانے کی
 بجویز کیوں رہ گئی۔ کیوں اس پر عمل نہیں کیا گیا۔
 ج: میں نے فیصلہ کیا تھا کہ سچی شہادت دوں گا اس لیے میں کتراتا تھا کہ دوبارہ
 نہ بنائی جائے۔

س: کیا آپ نے کورٹ انسپکٹر کو کہا تھا کہ میں یہ کرنے کے لیے تیار نہیں
 ج: میں نے نہیں کہا تھا۔
 س: کیا کہا تھا کہ میں آمادہ ہوں۔
 ج: میں ان کی ہاں میں ہاں ملا تا گیا۔ میں منہ سے تو ہاں کرتا رہا لیکن دل
 سے رضامند نہیں تھا۔

س: تو ۶- دسمبر کو کیا فیصلہ ہوا تھا۔ ج: یہ کہ میں واپس چلا جاؤں۔
 س: تو پھر یہ کب تیار کی جانی تھی۔ ج: دو چار دن کے بعد
 س: کیا پھر اس کے متعلق آپ کو بتایا گیا۔
 ج: مجھے پتہ نہیں۔ کیونکہ میں گاؤں میں نہیں تھا۔
 س: کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اصل آپ نے تلف کیا۔
 ج: نہیں، یہ درست نہیں۔

س: جب آپ ماتحت عدالت میں شہادت دیئے کے لیے آئے کیا آپ سے
 پراسیکیوٹرنگ انسپکٹر نے پوچھا کہ اصل کہاں ہے؟

ج: ہنیں مجھ سے نہیں پوچھا۔

س: عدالت میں پیش ہونے سے پہلے بھی نہیں پوچھا گیا۔ ج: نہیں۔
 س: کیا کورٹ انسپکٹر کو امید تھی کہ آپ استغاثہ کی طرف سے شہادت دیں گے
 اور آپ نے اہل بھی تیار کر لی ہے۔
 اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے کہا کہ میں نے اپنی جرح ختم کر لی۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

مسٹر سلیم کی جرح کے بعد صفائی کے حیف و کیل میاں عبدالعزیز نے فاضل
 جج کی اجازت سے جرح شروع کی۔

عبدالعزیز: کیا آپ لا۔ مئی کو حاضر عدالت ہوئے تھے۔ ج: جی ہاں۔
 س: کیا جنوری سے پہلے آپ نے رخصت لی ہوئی تھی۔ یہ رخصت کب ختم
 ہوئی۔ ج: جی ہاں یہ رخصت ۳۔ دسمبر کو ختم ہوئی۔
 س: پھر ۳۔ دسمبر کو کتنی تھپی لی۔ ج: پندرہ دن۔

س: ۱۸۔ دسمبر کے بعد یعنی یہ رخصت ختم ہونے پھر کب اور کتنی رخصت لی۔
 ج: ۱۸۔ دسمبر کو بذریعہ تار دس دن کی تھپی لی۔ یہ رخصت ۲۸۔ دسمبر کو ختم ہو
 گئی۔ ایک اور سوال کے جواب میں بتایا کہ رخصت ختم ہونے پر میں گجرات روانہ
 ہوا۔ اس روز مجھے پھر پراسیکیوٹر ٹانگ انسپکٹر نے کہا کہ تھپی لے لو۔ انھوں نے کہا
 تھا کہ دس دن کی تھپی لی۔ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ ۸۔ جنوری کو رخصت ختم ہوئی
 تو میں ڈیلیٹی پر حاضر ہونے کے لیے ٹرین کے ذریعے لاہور سے گجرات گیا۔

جب وزیر آباد پہنچا تو مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ملا۔ ملنے کے وقت میں ٹرین پر ہی تھا۔ س: لاہور سے کہاں تک کا ٹکٹ تھا۔

ج: گجرات۔ مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد سے ہی کہہ دیا تھا کہ واپس لاہور چلے جاؤ۔ اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے کہا ہمارا کہیں یہ ہے کہ ایک طرف پولیس جعلی لانگ ہینڈلوزٹ بنا رہی تھی دوسری طرف مقدمہ کو لمبا کیا جا رہا تھا۔ اور اس کے لیے گواہ کو کہا جا رہا تھا کہ وہ لمبی شخصت کے لیے چنانچہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اسے کہا کہ وہ وزیر آباد سے ہی واپس آجائے۔

س: وزیر آباد سے ٹکٹ کس نے لے دیا تھا۔

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مجھے ٹکٹ خرید کر دیا تھا۔

س: کیا اس سے پہلے آپ کو یہ علم ہو چکا تھا کہ پولیس ایک طرف آپ کے وارنٹ حاصل کر چکی ہے اور دوسری طرف لانگ ہینڈلوزٹ تیار کر کے دستخط کرنا چاہتی ہے۔ ج: جی ہاں مجھے یہ علم تھا۔

س: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد میں جو ٹکٹ خرید کر دیا تھا کیا اس کا نمبر لے کر رکھا ہوا ہے۔

ج: جی ہاں اس کا نمبر میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر گواہ نے ٹکٹ کا نمبر

پڑھ کر بتایا۔ ۵۵۹۶۶۔ ۸ جنوری ۱۹۲۰ء۔

س: یہ نمبر کیوں رکھا۔

ج: اس لیے کہ جب جاؤں تو غیر حاضری کے الزام میں حراست میں نہ لے لیا جاؤں۔ میرا گجرات جلنے کا ارادہ تھا مگر وزیر آباد میں مجھے پراسیکیوٹنگ

واپس کر دیا۔

س: آپ کو پتہ تھا کہ ایک طرف آپ کو واپس بھیج رہے ہیں اور دوسرے
آپ کو خیال تھا کہ عین حاضر قرار دے کر کارروائی نہ کریں تو آپ نے پراسیکیوٹنگ
انسپکٹر سے تحریر کیوں نہ حاصل کر لی کہ آپ کو وہ واپس بھیج رہے ہیں۔

ج: اگر میں تحریری حکم کے لیے کہتا تو مجھے ڈر تھا کہ یہ نہ ہو جائے۔

س: کیا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے آپ نے پوچھا تھا کہ چٹھی کی نسبت کیا کیا
جائے۔

ج: جی ہاں انھوں نے کہا کہ لاہور میں یا کسی اور جگہ جا کر جھوٹا سرٹیفکیٹ

جمل کر دے۔

جھوٹا سرٹیفکیٹ

س: کیوں میڈیکل سرٹیفکیٹ کے لیے کہا۔

ج: اس لئے کہ میں اپنی بیوی کی بیماری کے متعلق دو دفعہ تار بھیج چکا تھا۔

اگر پھر تار بھیجتا تو یہ سمجھا جاتا کہ بیوی لگاتار بیمار ہی رہتی ہے۔ (حقیقتہ)

اس لیے انھوں نے ہدایت کی تھی کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر بھیجا جائے۔

س: کیا لاہور سے تم نے کوئی تار بھیجا۔

ج: جی ہاں۔

س: سرٹیفکیٹ بھی۔

ج: جی ہاں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجا ہے۔

س: وہ جھوٹا تھا یا سچا تھا۔ ج: غلط تھا۔

س: کیا خرچ ہوا۔ ج: تین روپے (ہفتہ)
حبش رام لال: میرا خیال تھا کہ سو سو سو روپے صرف ہوئے
ہوں گے۔ (ہفتہ)

عبدالعزیز: مائی لارڈ! آجکل ایسے ڈاکٹر بھی ہیں جو صرف آٹھ آنے
میں سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں۔ (ہفتہ)

س: ڈاکٹر کو کیا بیماری بتلائی۔ ج: پچیش اور بخار۔
س: چیف حبش: سرٹیفکیٹ پولیس کو بھیج دیا تھا۔
ج: جی ہاں۔ بذریعہ ڈاک۔

س: پھر گیارہ جنوری کو کیوں گئے۔

ج: اس لیے کہ میری غیر حاضری کی وجہ سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری
کا کیس لمبا کیا جا رہا تھا۔

میاں عبدالعزیز: پولیس کو شبہ تھا کہ گواہ غلط روایت اختیار کر رہا
ہے اس لیے اس مقدمے کو لمبا کیا جائے تاکہ اسے دوبارہ
over کیا جائے۔

چیف حبش: یہ کوئی دلیل نہیں۔

میاں عبدالعزیز: جب آپ گیارہ جنوری کو گجرات میں گئے تو آپ
کو پتہ ہو چکا تھا کہ پولیس آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے
ج: جی ہاں۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ۱۱ جنوری

جب میں گجرات گیا تو کارسیدھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ تاکہ مجھے گرفتار نہ کیا جاسکے۔

س: جب کمرے میں داخل ہوئے تو دیوان چمن لال موجود تھے۔ کیا آپ نے ان کو یہ رقعہ اور استغفہ دیا۔ ج: جی ہاں۔

س: کیا اس دن اس عدالت میں دہاں میں بھی موجود تھا۔

ج: جی ہاں۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ مجھے ڈر تھا پولیس گرفتار کر لے گی۔ اس لیے میں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے

درخواست کی کہ سب جیل میں جہاں کو رٹ روم میں میرا بیان ہونا ہے مجھے حفاظت سے پہنچایا جائے تاکہ پولیس مجھے گرفتار نہ کرے۔ ہمارے ہمراہ سب جیل میں دیوان چمن لال اور میاں عبدالعزیز بھی گئے۔ اس میں تقریباً پانچ دس منٹ لگے ہوں گے۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی جب مجھے بلایا گیا تو دیوان چمن لال نے وہ استغفہ جو میں نے انھیں دیا تھا عدالت کی موجودگی میں مجھے واپس کر دیا۔ جب میں نے استغفہ اور رقعہ دیوان چمن لال کو دیا تھا تو بھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے اُن کی موجودگی میں دیا تھا۔

جس وقت دہاں میرا بیان ہوا۔ پر اسکیپوٹنگ اسپیکٹر سردار بھگت سنگھ مجسٹریٹ کی آمد سے پہلے بھی کو رٹ روم میں موجود تھے۔ سردار بھگت سنگھ سے اس وقت میری گفتگو نہیں ہوئی۔ نہ ہی اس سے پہلے میں انھیں ملا۔

میں: کل آپ نے ایڈوکیٹ جنرل کے جواب میں کہا تھا کہ ۲۸۔ جون کو جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا لیکچر ہونا تھا۔ مجھے ٹیلیفون پر بلا دیا گیا تھا۔ کیا آپ نے اس وقت کوئی اندراج کیا تھا کہ میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے فون آنے پر جا رہا ہوں۔

ج: جی ہاں میں نے سٹی پولیس کے روزنامچہ میں اندراج کیا۔ میں نے یہ اندراج محرر کانسٹبل سے کرایا۔ ساڑھے چار اور پانچ بجے شام کے درمیان ایک تقریر کے نوٹ لیے اور اس کے بعد رات کو۔ دوسری تقریر کے بعد مجھے پتہ لگا کہ دوسرے دن ایک اور بھی جلسہ ہونا ہے اور اس کے نوٹ میں نے لینے ہیں۔ اس لیے میں وہاں ہی ٹھہر گیا۔ اور لالہ موسیٰ کی واپسی پر ہی رپورٹ درج کرائی۔

س: آپ کو حکم تھا کہ گجرات میں واپسی پر فوراً ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس جاؤ اور نوٹ پیش کر دو تو پھر ۲۹ کی شام کو یا ۳۰ کی صبح کو گجرات پہنچ کر آپ فوراً ہی ان کے پاس کیوں نہ گئے۔

ج: میں ۲۸ جون کی رات کو جاگتا رہا۔ نیز مجھے ہدایت تھی کہ راجا خاں نائب محرر لالہ موسیٰ کو ساتھ لانا اس لیے میں گجرات پولیس اسٹیشن پر اس کا انتظار کرتا رہا، وہ وقت پر نہ آیا۔ ایک اور سوال پر کہا کہ وہ دو بجے بعد وہ پرتک نہیں آیا تھا

س: آپ نے کہا تھا کہ جب تین چار بجے کے قریب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر پہنچ گئے تو چھ سات گھنٹے لگے۔ اتنی دیر کیوں لگی۔

ج: اس لیے کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر مجھے نئی ڈائری دکھاتے تھے کہیں کھوڑا سا کھاکر کاغذ کو دیکھتے تھے، غور کرتے اور دکھاتے۔ میں نے ان سے نہیں کہا کہ جلد ہی کی جائے۔

اعلیٰ افسران کے خفیہ راز

س: آپ سترہ روپے کے کانسٹبل تھے اس لیے سپرنٹنڈنٹ پولیس کس طرح گوارا کرتے تھے کہ خفیہ چٹھیاں اور ان کے راز آپ بھی دیکھ سکیں ج: خفیہ رجسٹر تو سب انسپکٹروں کو بھی نہیں دکھائے جاتے تھے ان پر بھی میرے اندراج ہیں۔

س: رجسٹر کیا ہے۔

ج: اس کے چار حصے ہیں۔ ایک حصے میں خفیہ ہدایات ہوتی ہیں۔

جسٹس رام لال: یہ کوئی وجہ نہیں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) لیکن آپ سترہ روپے کے کانسٹبل تھے

آپ پر اتنا اعتبار کیوں تھا۔

ج: سپرنٹنڈنٹ پولیس کے تمام اخراجات میرے ہاتھوں سے ہوتے

تھے۔ یہاں تک کہ میں ان کے لیے پانچ پانچ چھ سو کا کپڑا لاہور وال روڈ سے لے آتا تھا۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ٹھیک جواب ہے

کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس سب کے خفیہ راز ایک کانسٹبل کو بتا سکتا ہے۔

میرے خیال میں یہ بہت کمزور جواب ہے۔
 میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا یہی ایک وجہ تھی۔
 ج: اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ مجھے کاغذات اس لیے دکھائے جاتے
 تھے کہ اچھی طرح سے تسلی کر سکے۔
 چیف جسٹس: یہ ٹھیک جواب ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی موزوں وجہ
 بتائی جائے۔

جسٹس رم لال: اگر ایک شخص کسی افسر کی گھر کی اشیاء لائے اس پر اتنا
 اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ وہ حقیقہ دستاویز دکھا دے۔
 مسٹر عبدالعزیز: آپ اس سے پوچھیں کیا کوئی اور وجہ بھی ہے۔
 چیف جسٹس: ہم بھی اپنے بیرہ کی معرفت گھر کی اشیاء منگواتے رہتے
 ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بھی اپنے بیرہ کو اس طرح حقیقہ دستاویز
 اور حقیقہ راز بتا سکتے ہیں۔ (فتنہ)

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا اس کی کوئی اور وجہ بھی تھی۔
 ج: جی ہاں۔ کچھ دنوں سے ان کے متعلق افواہیں پھیل رہی تھیں کہ
 وہ رشوت لیتا ہے۔ اور تقریریں بھی ہوتیں۔ میں ان کے زٹ لیتا تھا۔
 جب میں نے انھیں جاکر دکھایا تو وہ اس وقت تو خاموش رہے لیکن بعد
 میں کہا کہ کوئی ایسا انتظار کرو جس سے میری ریٹوشن ٹھیک ہو جائے۔
 اس کے بعد انھوں نے اپنی پیدائش کی تاریخ، جگہ اور اپنے کاموں کے متعلق
 ایک چھوٹا سا مضمون بنا کر دیا۔ میں نے وہ گجرات کے ایک اخبار "آفتاب"

میں بڑی خوشامد سے شائع کرایا۔

بینڈ اور گولوں سے جلوس

اس کے بعد ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس چھٹی پر کھمبے لگائے جہاں آدھے بجھ سے کہہ گئے کہ واپسی میرے استقبال کا اہتمام کرنا۔ استقبال کے لیے پبلک کا انتظام بھی کیا اور گولوں اور بینڈ کا بھی۔ چنانچہ جب وہ واپس آئے تو چوک میں اور بعد میں ان کی کوٹھی پر گولے چھوڑے گئے اور بینڈ بھی بجایا گیا۔ اس کے علاوہ میں وزیر آباد سے مار لایا اور پبلک کے آدمیوں کو دیے کہ وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گلے میں ڈالیں۔ (ہتھتہ)

اس مرحلے پر ایک دلچسپ واقعہ ہوا جب میاں عبدالعزیز **بم یا گولے** انگریزی میں جواب بھوار بے تھے تو انھوں نے گولے کی جگہ لفظ بم استعمال کیا۔ اس پر ایک ہتھتہ اور بلند ہوا۔

س: سپرنٹنڈنٹ پولیس کب رخصت سے واپس آئے۔

ج: مجھے ٹھیک یاد نہیں غالباً اگست کے اخیر یا ستمبر کے اوائل میں۔ ان کے استقبال پر جو اخراجات ہوئے ان کی فہرست میری نوٹ بک میں جو مکان میں میرے بچوں میں پڑی ہوئی ہے موجود ہے۔ ادائیگی انھوں نے ہی کی تھی لیکن تفصیل میں نے نکھلی تھی۔

س: یہ تو اگست یا ستمبر کی بات ہے لیکن جس پر دیکھنے کا واقعہ جن کا ہے ج: میں تو محض یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان پر میرا اعتبار تھا۔

حبش رام : لیکن اس سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ خفیہ رجسٹر ایک عام کانسٹبل کو دکھائے جاتے تھے ۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ ! آخر کوئی نہ کوئی اعتماد میں لیا جاتا ہے ۔
حبش رام لال : لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ محض رپورٹوں نے اسے اسے اعتماد میں لے لیا گیا ہو ۔

چیف حبش : مسٹر عبدالعزیز ! آپ کوئی اور وجہ دریافت کریں ۔
میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ لوگ کہتے تھے تم اس بچی کو رشوت دلاتے ہو ۔

حبش رام لال : یہ تو گواہ کے خلاف جلسے گا ۔
چیف حبش : مسٹر عبدالعزیز ! آپ یہ سوال دریافت کریں کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے گواہ کو ہدایت کی تھی کہ اس کے لیے رشوت کا انتظام کر لیا جائے کہ اسے
میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ مجھے ایک دو سوال کرنے دیں ۔
حبش رام لال : آپ ایسے سوال دریافت کریں جو *Advisable* ہوں ۔

میاں عبدالعزیز : اگر آپ اجازت دیں تو میں دوسرا سوال دریافت کر دوں ۔
چیف حبش : ہاں دریافت کریں ۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ تم مسٹر براؤن سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کے لیے رشوت کا انتظام کرتے تھے ۔
ج : جی ہاں ۔

میاں عبدالعزیز مسٹر برار کے خلاف کچھ دنوں تحقیقات ہوئی اور کیا آپ کی موجودگی میں شہادتیں ہوتیں۔

چیف جسٹس: معاملہ عجیب ہے کہ اس شخص نے چھوٹے سے کیرر میں اتنا کام کیا۔ (متمتہ)

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! کئی لوگوں کی خدمات ہی اسی لیے حاصل کی جاتی ہیں۔ (متمتہ)

مسٹر جسٹس رام لال: (گواہ سے) کیا ملازمت سے پہلے تم مسٹر برار کو جانتے تھے۔ ج: نہیں۔

جسٹس رام لال: ان سے پہلے کب ملاقات ہوئی۔

ج: جب وہ اہمالہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے میں ۱۹۳۷ء میں انھیں ملا۔

جسٹس رام لال: کیا ملازمت میں شامل ہوتے سے پہلے۔

ج: جی ہاں۔ میرے پاس میجر گلشیہ خاں کی سفارشی چھٹی تھی۔

جسٹس رام لال: کیا مسٹر برار نے گواہ کی کوئی امداد کی تھی۔

ج: نہیں۔ میں خود ملازم ہو گیا تھا۔

جسٹس رام لال: تو اس ملازمت میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

ج: نہیں۔

جسٹس رام لال: اہمالہ سے وہ کب تبدیل ہوئے۔

ج: ۱۹۳۸ء میں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس وقت

گجرات میں تھا لیکن کسی تھانہ میں تعینات نہیں تھا۔ "جنرل" میں تھا۔

حبش رام لال: جنرل ڈیوٹی میں تھے۔ تو ان سے ذاتی تعلقات کب قائم ہوئے۔

جواب: جب انہوں نے رپورٹر کی ڈیوٹی پر لگایا اس دن سرکاری طور پر ملاقات ہوئی۔ س: کس مہینے میں۔

ج: نومبر یا دسمبر ۱۹۳۸ء میں۔

س: گجرات میں مسٹر برار کو ملازم ہونے کتنی دیر ہوئی تھی۔

ج: تین چار ماہ۔

س: مسٹر برار نے کب کہا کہ میرے لیے رشوت کا انتظام کرو؟

ج: گجرات میں آنے کے آٹھ نو مہینے بعد۔ یعنی میری ملازمت کے چار

پانچ ماہ بعد غالباً اپریل میں۔

حبش رام لال: کیا رشوت میں تمہارا بھی حصہ تھا۔

ج: میں بتا سکتا ہوں بشرطیکہ مجھے پرمیٹیشن دی جائے۔

حبش رام لال: تمہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اس سوال کا جواب دو۔ گواہ

ہر رابر پرمیٹیشن مانگتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اس لیے کرتا ہو کہ جواب دینے کے لیے غور کر سکے۔

لدھارام: جی ہاں میرا بھی حصہ تھا۔

چیف حبش: مسٹر عبدالعزیز گواہ سے دریافت کریں کہ کیا وہ مسٹر پریم سنگھ

برار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کی کوئی اور بھی خدمت کرتا تھا۔

لدھارام: جی ہاں۔ میں ان کی ہرجائز و ناجائز خواہش کی تعمیل کرتا تھا۔

لدھارام کی ضمانت کی توسیع

کارروائی ملتوی ہونے سے پہلے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے کورٹ سے درخواست کی کہ چونکہ لدھارام پر جرح ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اس لیے عارضی ضمانت کی توسیع کی جائے۔ اس ضمانت کی میعاد آج ختم ہونی تھی۔ فاضل جج نے یہ درخواست منظور کر لی اور کارروائی ملتوی کر دی گئی۔

حقیقہ حسیر کے بھاٹے ہوئے ورق

لاہور ۴۔ اپریل۔ ایک دن وقفے کے بعد آج پھر سید عطار اللہ شاہ کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ آج لدھارام کے علاوہ سٹرائن۔ ڈی۔ ٹی۔ اسٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات اور خان صاحب میاں عبدالحکیم پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعظم پنجاب کی شہادتیں ہوئیں۔ لدھارام پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز کی جرح کے بعد حسیر مسلم نے جوابی جرح کی اس کی عارضی ضمانت میں مزید ایک دن کی توسیع کر دی گئی۔

میاں عبدالعزیز؛ (گواہ سے) دستاویز ۲۷۷ دکار بن سپر پرائٹنگ ہینڈ لوظے بک، کو دیکھ کر بیان کریں کہ کیا یہ ساری تحریر آپ کے قلم کی ہے۔

لدھارام: ہنیں یہ ساری تحریر میرے قلم کی نہیں۔

س: کہاں سے کہاں تک آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ج: اس میں کئی حصے میرے ہاتھ کے اور کئی حصے صاحب خان محترم کانسٹیبل

لالہ موسیٰ کے ہاتھوں کے۔

حبشٹ رام لال: جو حقے ہتھارے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ان پر سرخ بیکر کا نشان کنارے پر کر دو۔ گواہ نے نشانات لگا دیے

س: یہ دوسرے جو راجہ خاں کے لکھے ہوئے ہیں یہ کہاں لکھے گئے؟

ج: ۳۰۔ جون کو پرائیویٹ ٹنگ انسپکٹر کے مکان پر میری موجودگی میں۔

حبشٹ رام لال: کیا وجہ ہے کہ کچھ حقے ہتھارے ہاتھ کے ہیں اور کچھ

راجہ خاں؟

ج: پرائیویٹ ٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق راجہ خاں لالہ موسیٰ سے

گجرات گیا تھا۔ اور چونکہ اس نے اس پر دستخط کرنے کے لیے گواہ لانے

تھے انسپکٹر نے سوچا کہ اسے بھی ملایا جائے تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔

حبشٹ رام لال: میاں عبدالعزیز تو مطلب یہ ہوا کہ راجہ خاں سے

اس لیے لکھائے گئے کہ وہ راز ظاہر نہ کر سکے۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں۔ (گواہ سے) کیا آپ کے سامنے اصل پر

۳۰۔ جون کو کسی گواہ کے دستخط کرائے گئے۔

ج: نہیں میرے سامنے دستخط نہیں کرائے گئے۔

چیف حبشٹ: تو اصل کیا بنا؟

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ وہ جواب دے چکا ہے کہ وہ پرائیویٹ ٹنگ

انسپکٹر کو دے چکا تھا۔

سلیم: گواہ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ اس نے اصل واپس دیے اور پھر لیے

میاں عبدالعزیز : ۳۰۔ جون کو اصل کی کاپی کہاں گئی؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس۔

میاں عبدالعزیز : جو روزنامہ ۲۲۔ دسمبر کا ہے اس میں سب انسپکٹر لالہ

موسیٰ نے لکھا ہے۔ کیا آپ اصل کاپی لے گئے۔

ج : جی ہاں میں اصل لے گیا۔

س : اسے آپ نے کیا کیا؟

ج : میں دو تقریروں کی کاپیاں لایا تھا ایک شہزادہ آزاد کی اور دوسری

بخاری صاحب کی۔ شہزادہ کی کاپی عدالت میں پیش کی گئی اور بخاری صاحب

کی کاپی کے متعلق حکم دیا گیا نقل کرنے کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے

کی جائے۔

س : کیا اصل کاپی پر چاروں گواہوں کے دستخط آپ کی موجودگی میں لے

گئے۔

ج : بمقبول حسین ہسید کا سٹیل جو تین چار روز بعد آیا اس کے دستخط میرے

سامنے ہوئے۔ باقی دستخط جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں جعلی تھے۔

س : اس کاپی کو پھر دیکھ کر بتائیں کہ سب انسپکٹر کے دستخط جو سب سے

آخر میں ہیں آپ کے سامنے کیے گئے۔

ج : نہیں۔

س : میاں عبدالعزیز : آپ نے کہا تھا کہ جعلی نوٹ بناتے وقت کچھ

حصہ سید بخاری کی تقریر کا شہزادہ آزاد کے نوٹوں میں ڈالا گیا۔ اس دن آپ

پورا بیان نہیں دیا۔ آج میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیوں کیا گیا؟
ج: اس لیے کہ اس تقریر کے کچھ الفاظ لے کر کچھ حصے اپنے پاس سے
لے کر دوسری تقریر میں ڈالے گئے اس طرح اسے مکمل کیا گیا۔
چیف جسٹس: میاں عبدالعزیز یہ کوئی جواب نہیں۔ آپ ایسا سوال پوچھیے
کہ گواہ پورا جواب دے۔

میاں: میرا سوال یہ ہے کہ ایک تقریر کے کچھ حصے نکال کر دوسری تقریر
میں کیوں ڈالے گئے۔

گواہ: اس کا جواب پرائیویٹنگ ایجنٹ ہی دے سکتے ہیں
چیف جسٹس: اس سے پوچھیے کہ کیا وہ خود کوئی مطلب نہیں سمجھ سکا۔
میاں: (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کون فقرہ ایک تقریر سے
نکال کر دوسری تقریر میں ڈال گیا۔

ج: اگر اس کے ساتھ شہزادہ کی تقریر ہوتی تو میں بتا سکتا۔
میاں: (گواہ سے) دستاویز ۲۷۷ کو ابھی طرح دیکھ کر بتائیں کہ اس
پر گواہوں کے دستخط جو سید عطار اللہ شاہ کی تقریر کے آخر میں ہیں یہ اصل ہیں
یا جعلی۔

ج: مقبول حسین شاہ کے دستخط اپنے ہیں باقی کے دستخط بنائے گئے ہیں
س: کب بنائے گئے؟

ج: مقبول کے دستخط کرانے کے بعد بنائے گئے۔

س: ان میں سے کوئی آپ کے ہاتھ کا بھی ہے؟

ج: جی ہاں رولد و سنگھ کے دستخط میرے ہاتھ کے ہیں۔
 چیف جسٹس: اس پر چھپے کہ رولد و سنگھ کیوں کیے جب کہ رولد و سنگھ اگر دستخط
 کر سکتا تھا اس پر میاں عبدالعزیز نے بھی سوال کیا۔
 ج: میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔
 چیف جسٹس: سوال یہ ہے کہ رولد و سنگھ سے دستخط کیوں نہیں کر لئے گئے
 ج: رولد و سنگھ اس ڈائری پر دستخط کر چکا تھا جو جلائی جا چکی تھی۔ اس لیے
 اس کے دستخط بنائے گئے تاکہ راز ظاہر نہ ہو۔
 چیف جسٹس: کیا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے تم سے مشورہ کیا تھا؟
 ج: جی ہاں۔ اس نے یہ کہا تھا کہ تم دستخط کر دو کہ قبل از وقت راز
 ظاہر نہ ہو۔

جسٹس رام لال: آخر رولد و سنگھ کو بلانا ہی تھا کیا اس وقت راز ظاہر
 نہ ہوتا۔

جیف جسٹس: میاں عبدالعزیز آپ کا کیس ہے کہ پولیس جو چاہے
 گواہوں سے کرا لیتی ہے۔ کیوں نہ رولد و سنگھ کے دستخط کرا لیے۔ اس سے
 تو ہم متاثر نہیں ہوئے۔

جسٹس رام لال: اگر آپ کے بیان کے مطابق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے
 ڈائری بنائی تھی تو اسے اتنی سمجھ تو ضرور ہوگی۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں یہ واضح کروں گا کہ یہ ڈائری اس وقت
 تیار کی گئی جب رولد و سنگھ حاضر نہیں تھا۔ اس لیے اس خیال سے جعلی دستخط

اینانے گئے کہ اگر واپس آگیا تو وہ تائید کر دے گا کہ میرے ہی ہیں۔
حبش رام لال: مگر اسے لالہ موسیٰ سے بلایا جاسکتا تھا۔ آنے میں ہیں
پچیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔
میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) کیا یہ کافی ۳۰ جون کے بعد بھی آپ کے
ہاتھ میں آئی۔

ج: جی ہاں اکثر میرے ہاتھوں میں آئی۔
س: کیوں۔

ج: پختہ جواب مجھے یاد نہیں۔ شاید آئی تو یہی ہو۔
چیف حبش: میاں عبدالعزیز آپ جرح میں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔
میاں: میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دستاویز بنائی گئی۔
چیف حبش: مسٹر سلیم مانتے ہیں کہ یہ گواہ ناقابل اعتبار ہے پھر آپ
کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

میاں عبدالعزیز: ان ہدایات کے متعلق جو اسے بھیج گئیں۔
چیف حبش: آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گواہ ناقابل اعتبار ہے۔
اور استغاثہ بھی یہی کہتا ہے پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟
سلیم: (انجی) لاڈلہ میرا کہیں ہے کہ گواہ کا پہلا بیان درست ہے۔

چیف حبش: اس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ مسلمہ جعل ساز دروغ بات
اور ٹاؤٹ ہے۔ اگر یہ گواہ سچ بول رہا ہے تو میں نے اپنے سامنے بے تجربے
میں ایسا گواہ نہیں دیکھا۔ (ہنسی)

حقیقہ حبیط کے صفحات

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسے ہدایت کی گئیں۔

چیف حبیط: مگر گواہ جس حبیط سے یہ بیان کردہ ہدایات نقل کرنا بیان کرتا ہے استغاثہ کا بیان ہے کہ ایسا کوئی حبیط ہی نہیں۔

میاں عبدالعزیز: اس حقیقہ حبیط کے کچھ صفحے اس کے پاس ہیں۔

چیف حبیط: ہاں یہ آپ بیشک ثابت کریں۔

میاں عبدالعزیز: گواہ سے کیا آپ کے پاس حقیقہ حبیط کے وہ صفحات جن پر سے آپ نے ہدایات نقل کیں۔

ج: جی ہاں۔ یہ کہہ کر اس نے دو کاغذات حبیط سے نکال کر پیش کیے

چیف حبیط: تو یہ حقیقہ حبیط ہے (ہتھہ)

گواہ: انہیں جناب۔ یہ دو ورقے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ میں یہ دریافت کرتا ہوں (گواہ سے)

انہیں دیکھ کر بتاؤ کہ یہ سارے ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے ہیں۔ یا دوسرے

کے بھی؟

ج: ایک ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔

س: اس کا نام کیا ہے؟

ج: غلام حسین اسٹنٹ سب انسپکٹر ریڈر سپرنٹنڈنٹ پولیس مہجرات۔

اسی دوران میں لدھارام پر جرح جاری رہی۔ حبس میں رام لال نے پوچھا :
 کون ریڈر تھا جو تمہیں حبس لکھاتا تھا : ج : دہی غلام حسین ۔
 س : کیا تمہیں پتہ ہے کہ کسی اور کانسٹیبل کو بھی حبس لکھاتا تھا ۔
 ج : نہیں ۔ مجھے علم نہیں ۔
 س : تم نے کیا کہا تھا کہ ۲۹۔ جون کو لالہ موسیٰ میں کسی کانسٹیبل سے سنا کہ
 کہ ایک اور حلیہ لالہ موسیٰ میں ہونے والا ہے ۔

ج : جی ہاں ۔
 س : کیا تم کو بتایا گیا کہ اس جلسے میں کون تقریر کرے گا ۔
 ج : نہیں ۔

س : کیا بتایا گیا تھا کہ کس قسم کا جلسہ ہوگا ۔
 ج : کانگریس کا ۔

س : کیا بتایا گیا تھا کہ کس وقت اور کہاں ہوگا ؟
 ج : مجھے بتایا گیا تھا کہ رات کو ہوگا ۔
 س : کیا ۲۰۔ جون کی رات کو بتایا گیا تھا ؟
 ج : جی ہاں ۔

س : تو پھر کس وقت معلوم ہوا کہ یہ جلسہ ملتقی ہو گیا ؟
 ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں ۔

س : کیا اس دن جب آپ بیان پڑھا رہے تھے یہ کاغذات آپ کے پاس تھے ؟

ج : ہاں۔

س : کہاں رکھے ہوئے تھے؟

ج : اپنے پاس جیب میں۔

س : کیا ہمیشہ جیب میں رکھے۔

ج : نہیں۔

س : کیا کبھی اس جگہ میں رکھے جو کڑی کے صندوق میں تھے۔

ج : نہیں۔

چیف جسٹس : جب ہتھاری جیب میں نہیں ہوتے تھے تو کہاں رکھتے تھے

ج : ڈبہ میں زمین میں دبا کر رکھ دیتا تھا۔

س : کتنی دفعہ ڈبہ بنا کر زمین میں دبا کر رکھا۔

س : کہاں دبا کر رکھتے تھے۔

ج : بٹی تھانہ پولیس کے سامنے کما کے کھیت میں۔

س : کیا اب وہ جگہ آباد ہے اور لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے۔

ج : گزرتے رہتے ہیں۔

س : وہ کب کہاں ہے؟

ج : رنگ گنگے کی وجہ سے پھینک دیا گیا۔

س : آخری وقت اسے کب نکالا۔

ج : جب میں ۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ء کو پراسیکیوٹر جنرل کے مکان پر گیا۔

س : تو اس کے بعد آپ نے ہمیشہ اپنی جیب میں رکھا۔

ج: جی ہاں۔

س: کیا پرسوں جب آپ شہادت دینے آئے تو یہ آپ کی حبیب
میں تھے۔

س: آپ نے میاں عبدالعزیز کو کاغذات کے متعلق کب بتایا؟

ج: جب میں اسی عدالت میں پیش ہونے کے پہلے دن پولیس کے
زعیمین تھا میں نے اکیس شخص سے کہا تھا کہ میاں عبدالعزیز کے ذریعے
حضور سے درخواست کی جائے کہ پولیس گرفتار نہ کرے۔

س: چیف جسٹس: کیا تم اس سے پہلے سید عطار اللہ شاہ بخاری یا ان
کے کسی رشتہ دار کو بتایا کہ یہ کاغذات بھتھارے پاس ہیں۔

ج: نہیں۔

سلیم: جب آپ اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوئے تو اور
کاغذات کے ساتھ یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دیے؟

ج: یہ کاغذات میں نے اپنے پاس بطور ثبوت رکھے۔

س: چیف جسٹس: اس سے کہیے کہ اس سوال کا جواب دے۔

سلیم: بتائیے کہ اس دن یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دیے

ج: اپنے پاس بطور ثبوت رکھے۔

س: کیا اس طرح سے ثبوت نہ ہو جاتا۔

ج: نہیں۔ یہ بار میں نے اپنے ذمے لیا۔

سلیم: جب جسٹس سے یہ کاغذ نکالے تھے جسٹس کہاں تھا؟

ج: ریڈر کے قہقہے ہیں۔
 س: کیا ریڈر سے مانگ کر لیا تھا۔
 ج: نہیں۔ ایسے کاغذات کوئی مانگنے سے دیتا ہے (ہنہقہہ)
 سلیم: تو کیا اسے روپیہ بدیہ دیا۔
 ج: پولیس مقدمہ بنا لیتی ہے۔
 چیف جسٹس: مسٹر سلیم اس سے پوچھیے کہ کس طرح حاصل کیے۔
 ج: ریڈر میرا اختیار کرتا تھا۔ میں وہاں تین گھنٹے بیٹھا رہا۔ جب موقع
 لایہ کاغذ جسٹس سے علیحدہ کر لیے۔
 چیف جسٹس: مگر جب ریڈر کے پاس گئے تو ریڈر کہاں تھا؟
 ج: الماری کے اندر۔
 چیف جسٹس: کیا وہ استعمال کر رہا تھا۔
 ج: نہیں۔
 چیف جسٹس: الماری کو قفل لگا ہوا تھا۔
 ج: قفل تھا، لیکن کھلا ہوا تھا۔
 سلیم: جسٹس کو الماری سے کس نے نکالا۔
 ج: میں نے۔
 سلیم: کس کام کے لیے گئے تھے۔
 ج: عام طور پر جاتا رہتا تھا۔ اور تین تین گھنٹے تک وہاں رہتا تھا۔
 س: تین تین گھنٹے تک کیا کرتے رہتے تھے؟

ج: جب کوئی کام نہ ہو باتیں کرتا رہتا تھا۔
چیف حبش: جب تم نے حبش سے پھاڑ لیے تو کیا اس پر کوئی نشان باقی
رہ گیا تھا۔

ج: جی ہاں۔

چیف حبش: کیا کسی نے تحقیقات کی کہ یہ کاغذ کس نے نکالے۔
گولا: سنا تھا کہ ایک سب انسپکٹر سی آئی ڈی تحقیقات کے لیے گیا تھا۔
چیف حبش: اسی واقعے کے لیے گیا تھا۔
گولا: علم نہیں۔

چیف حبش: کیا کسی شخص نے تم سے بھی سوال کیا تھا۔
گولا: نہیں۔ میں جھٹی پر چلا گیا تھا۔
چیف حبش: ان کاغذات کو پھاڑنے کے کتنے عرصے بعد چھٹی پر گئے۔
ج: سولہ سترہ دن بعد۔

چیف حبش: ریڈر کتنی دفعہ اس حبش کو دیکھتا ہے۔
ج: کبھی کبھی کیونکہ یہ روزمرہ کے استعمال کا حبش نہیں۔
سلیم: جس مجلس میں یہ کاغذات دفن کیے تھے وہ کیا تھا؟
گولا: گول مہاساٹمین کا ڈبر۔

سلیم: پرسوں تم نے کہا تھا کہ عدالت میں آتے وقت تم نے گھڑی اور
انگوٹھی اپنے ایک دوست خواجہ کو دے دی تھی۔ تو یہ کاغذات کیوں نہ دیے
گولا: میرا خیال تھا کہ شاید دوبارہ میرے ہاتھ نہ آسکیں۔

چیف جسٹس: جب تم نے اے ڈی ایم گجرات میں شہادت کے لیے گئے تو کیا محققین یہ خطرہ نہیں بھتا۔

گجرات: مجھے پتہ تھا کہ پولیس مجھے گرفتار نہیں کرے گی۔
سلیم: جب تم اس عدالت میں آئے تو محققین معلوم بھتا کہ تمہارے وارنٹ جاری ہیں۔

ج: جی ہاں پتہ تھا
س: کیا محققین پتہ تھا اگر محققین گرفتار کیا گیا تو جہاں تہ بلاشی پر یہ کاغذات تم سے لے لیے جائیں گے۔
ج: مجھے پتہ تھا کہ جب ہائیکورٹ کی حدود میں پہنچ جاؤں گا تو مجھے کوئی گرفتار نہیں کرے گا۔

س: پھر یہ انگوٹھی اور گھڑی کیوں دی؟
ج: ہجوم میں گم یا خراب ہو جانے کی وجہ سے۔
س: پھر کاغذات کے چھین جانے کا ذکر نہیں بھتا۔
ج: میں نے انھیں بہت محفوظ رکھا ہوا تھا۔
س: کیا سوموار کو کوئیل صفائی کو آپ نے بتایا تھا کہ کاغذات آپ کے پاس ہیں؟

ج: میں نے کسی سے کہا تھا کہ ان کو اطلاع پہنچا دی جائے۔
س: یہ کب ہوا؟
ج: سوموار صبح شہادت دینے سے پہلے۔

س : اگر مختاری ضمانت کا انتظام نہ ہوتا تو ان کا عذات کے متعلق آپ نے کیا سوچا تھا۔

ج : میرے والد آئے ہوئے تھے انھیں دے دیتا۔

مسٹر سلیم : اس ریڈر کا کیا نام ہے؟

ج : غلام حسین۔

س : جب تم نے یہ صفحے پھاڑے غلام حسین ہی ریڈر تھا۔

ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں غلام حسین تھا یا بخشی۔

چیف جسٹس : تم اتنی دیرویاں باتیں کرتے رہے تو بہتیں معلوم نہیں

کہ ریڈر کون تھا؟

ج : میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا۔

چیف جسٹس : ظاہر ہے کہ گواہ جھوٹ بول رہا ہے۔ کیا آپ ریڈر سے

کہا کرتے تھے کہ جسٹر دکھا دو۔ اور وہ دکھا دیا کرتے تھے۔

ج : سپرنٹنڈنٹ پولیس کے حکم پر جسٹر دکھا دیتا تھا۔

سلیم : کیا آپ نے احمد دین کے مقدمے میں اس تاریخ کے بعد شہادت

دی جب آپ نے جسٹریٹ کی عدالت میں سیہ عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ

میں شہادت دی تھی۔

ج : احمد دین کے مقدمہ میں شہادت اس سے پہلے دی۔

سچی شہادت

سلیم : کوئی تاریخ یاد ہے کیا دسمبر میں شہادت دی تھی؟

ج: مجھے یاد نہیں۔ ۳۔ دوسرے کو ٹھپٹی پر چلا گیا تھا۔
 س: آپ نے اس مقدمہ میں سچی شہادت دی تھی۔
 ج: جب تک دیکھ نہ لوں نہیں بتا سکتا۔
 سلیم: (گواہ سے) لائٹ ہینڈ لٹ کی دفعہ ۶۹ کو دیکھیں کہ یہ مضمون اسی
 مضمون کا حصہ ہے جو ص ۱۲ پر لکھا ہے۔
 ج: جی ہاں یہ تسلسل ہے۔
 س: کیا اس کو دیکھ کر بھی آپ اصرار کریں گے کہ یہ صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱ اس
 لٹ بک سے نہیں لیے گئے۔
 ج: جی ہاں۔ میں اب بھی اصرار کرتا ہوں۔
 س: یہ جو کس جس کا ذکر آپ نے کیا کب زمین میں گاڑا کرتے تھے۔ صبح
 یا رات۔
 ج: جب کبھی موقع ملتا۔
 سلیم: دن کو یا رات۔
 ج: کبھی صبح، کبھی دوپہر، کبھی شام۔
 اس ہر چلے پر مسٹر سلیم نے اپنی جوابی جرح ختم کر لی۔
 آنریبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ کیا وہ بھی گواہ
 سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ میاں عبدالعزیز نے بھی نفی میں
 سر ہلا دیا۔

سپرٹنڈنٹ پولیس گجرات کی شہادت

اس کے بعد سپرٹنڈنٹ پولیس گجرات مسٹر اسٹن کی شہادت ہوئی۔ مسٹر اسٹن نے مسٹر سلیم کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تھانہ میں خفیہ خطوط کتابت کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جس میں خطوط کے نفس مضمون کے متعلق حوالہ یا عنوان ہوتا ہے۔ خطوط کی نقل اس میں درج نہیں کی جاتی۔ یہ رجسٹر پولیس ہیڈ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی انتہائی خفیہ دستاویز موصول ہو تو اس رجسٹر میں اس کا نمبر اور تاریخ درج کی جاتی ہے لیکن دستاویز کو علیحدہ رکھا جاتا ہے چیف حبس کیا آپ کا کوئی ریڈر خفیہ خطوط کو دیکھتا ہے۔ ج: اگر خفیہ ہوتو میں اپنے خفیہ کس میں رکھتا ہوں ریڈر نہیں دیکھتا اس کس کی چابی میرے پاس رہتی ہے۔ چیف حبس: اگر کوئی خفیہ رجسٹر یا خط آپ کا ریڈر دیکھ لے تو وہ خفیہ ہو سکتا ہے۔ ج: نہیں۔

میاں عبدالعزیز کے سوالات

اس پر میاں عبدالعزیز نے فاضل ججان سے درخواست کی کہ انہیں گواہ سے کچھ سوالات پوچھنے کی اجازت دی جائے۔ فاضل ججان نے اجازت دے دی۔

میاں عبدالعزیز: آپ کب سے گجرات پولیس کے انچارج ہیں۔

ج: ۲۔ فروری ۱۹۹۲ء سے۔

س: کیا اس سے پہلے کبھی گجرات میں تعینات ہوئے۔

ج: نہیں۔

س: کیا آپ مسٹر برار کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے؟

ج: نہیں۔ میاں عبدالقادر کے بعد۔

س: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسٹر برار کے خلاف خفیہ تحقیقات ہوئی تھیں؟

ج: جی ہاں مجھے علم تھا۔

س: کیا اسے معطل کیا گیا تھا؟

ج: مجھے علم نہیں۔

س: وہ کب گجرات سے رخصت ہو گیا تھا؟

ج: مجھے علم نہیں۔ شاید اکتوبر یا نومبر کے اخیر میں۔

س: کیا آپ خفیہ رجسٹر پولیس کے قواعد کے متعلق رکھتے ہیں۔

ج: ہمارے پاس دو رجسٹر ہوتے ہیں۔ ایک خفیہ خطوط کے متعلق جس میں

اپنے امیران وغیرہ کے خطوط کا حوالہ ہوتا ہے جنہیں عدالت میں پیش کیا

جاتا ہے۔ دوسرا انتہائی خفیہ۔

س: کیا خفیہ خطوط جو اعلیٰ حکام سے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر انسپکٹر

جنرل یا ڈپٹی انسپکٹر جنرل۔ کیا ان کے خطوط کے نمبر اور مستقبل کے حوالے کے لیے

ان کا مختصر سا مضمون اسی خفیہ رجسٹر میں رکھا جاتا ہے۔

ج: نہیں صرف نفس معنوں۔ یعنی عنوان رکھا جاتا ہے۔

س: یہ جسٹر آپ کے آفس میں کلرک کے پاس ہوتا ہے یا ریڈر کے۔

ج: یہ جسٹر میرے اپنے انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتا ہے ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ خفیہ خطوط میرے پاس ایک علیحدہ کور میں ہوتے ہیں۔ اور انہیں میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔

چیف جسٹس: گواہ ایسا اغلب نہیں ہے لیکن اگر آپ کو وزیر اعظم کی طرف سے خط ملے کہ کانگرس کی تقریر کے جعلی نوٹ بنا کر مقدمہ چلایا جائے تو وہ خط کیا ہوگا۔

ج: اگر ایسا خط آئے تو میں اسے انتہائی خفیہ سمجھوں گا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ ایسے خط کے متعلق میرے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ میری ساری عمر میں کوئی ایسا خفیہ خط نہیں آیا۔

س: کیا ایسے جسٹس کے جس کی چابی انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتی ہے ج: نہیں۔ میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔

س: اگر آپ کبھی مصروف ہوں تو کیا اپنے اسٹینوگرافر کو چابی دے کر کہیں گے کہ وہ جسٹر نکال کر آپ کو دے۔

ج: نہیں۔

س: کیا آپ غلام حسین سب انسپکٹر کے دستخط پہچان سکتے ہیں۔

ج: نہیں۔

س: آپ کے پولیس ڈپارٹمنٹ کے کئی مختلف ریجن ہیں۔

ج: جی ہاں۔

س: کیا آپ جانتے ہیں کہ B.R.P. پولیس میں استعمال کیا جاتا ہے۔
ج: مجھے علم نہیں۔

س: اگر آپ کو کوئی خط آئے اور اس پر ہدایت ہو کہ اسے آپس
کر دیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟

چیف جسٹس: منکر وہ تو کہہ چکا ہے کہ اس کے سچے میں سمجھی ایسا نہیں

ہو ۱۹

لیج کے بعد کی کارروائی شروع ہوئی لہذا رام کو اس کا بیان سنایا جانے
لگا۔ تو جسٹس رام لال اکیلے ہی تھے۔ پانچ منٹ کے بعد جب چیف جسٹس بھی
تشریف لائے تو لہذا رام کو بیان سنایا گیا۔ یہ کارروائی پونے تین بجے تک
جاری رہی۔

پرنسٹن اسٹنٹ وزیر اعظم کی شہادت

اس کے بعد خان صاحب عبدالجکیم پرنسٹن اسٹنٹ وزیر اعظم کی شہادت
ہوئی۔ انھوں نے بتایا میں اپریل ۱۹۳۸ء سے وزیر اعظم پنجاب کا پرنسٹن
اسٹنٹ ہوں۔ ان تمام خطوط کا ریکارڈ رکھتا ہوں جو میں یا وزیر اعظم
پنجاب خود لکھتے ہیں۔ ان تمام خطوط کا ذکر اس ریکارڈ میں ہوتا ہے
س: ریکارڈ دیکھ کر بتائیں کہ ۲۹۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو وزیر اعظم یا آپ نے
مسٹر براہم پرنسٹنٹ پولیس گجرات کو خط لکھا۔

ج: نہیں۔

چیف جسٹس: کیا ان تاریخوں کے نزدیک کسی تاریخ کو مسٹر راج کا کوئی خط آیا تھا۔

ج: نہیں۔

چیف جسٹس: وزیر اعظم یا ان کی طرف سے جو خطوط کھے جاتے ہیں کیا آپ انھیں اس رجسٹر میں درج کرتے ہیں؟

ج: جی ہاں۔ ہمیشہ

مسٹر منیر: یہ تین خط جن کی نقلیں آپ کے سامنے ہیں کبھی آپ کو ملے؟
ج: نہیں مجھے کبھی نہیں ملے۔

س: جو خط آپ وزیر اعظم کے نام سے لکھتے ہیں ان پر نمبر ہوتے ہیں
ج: نہیں۔

س: لفظ C.R.P کے متعلق آپ کا کوئی Idea ہے؟

اس مرحلہ پر میاں عبدالعزیز نے جرح کی:

س: کیا اس رجسٹر کے اندراج آپ کے ہاتھ کے ہیں؟
ج: نہیں۔

س: کیا اس رجسٹر میں آپ کے کہیں دستخط ہیں؟

ج: نہیں۔

س: آپ دیکھ رہے ہیں کہ رجسٹر کا ٹائٹل اور کاغذ سے مڑا ہے۔

چیف جسٹس: اس میں آپ کا کیا نکتہ ہے؟

میاں عبدالعزیز: میرا خیال ہے کہ یہ حربہ صرف اس مقدمے کے لیے تیار کیا گیا۔

س: آپ یہ بتائیں کہ صفحہ اول پر جہاں آپ کے دستخط ہیں کاغذ مٹا ہے اور علیحدہ کوالٹی کا۔

ج: جی ہاں۔

س: کیا آپ کو اس مقدمے کا علم ہے جب یہ گجرات میں شروع ہوا۔
ج: مجھے یاد نہیں۔

س: کیا اس مقدمہ میں دزیر اعظم نے یہ ہدایات ایڈووکیٹ جنرل کو کیں کہ مقدمہ مافی کورٹ کو منتقل کیا جائے۔

چیف جسٹس: یہ تو ہم خود جانتے ہیں کہ مسٹر سلیم نے مسٹر اسکیمپ کی عدالت میں درخواست کی کہ مقدمہ ہائی کورٹ کو منتقل کیا جائے پھر قضیع اوقات کی کیا ضرورت ہے۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ حربہ بنایا گیا ہے یا آپ کو یہ بدایت دی گئی۔ یہاں کسی کے خلاف کچھ چھلانے نہیں دیا جائے گا۔

میاں عبدالعزیز: مافی لاڈ مجھے بتایا گیا ہے یہ بنا دی گئی ہے میرا ہرگز ارادہ نہیں کہ کسی کے خلاف کچھ چھڑا چھلا جائے۔ اس مرحلے پر پرنسپل اسسٹنٹ کی شہادت ختم ہو چکی تھی۔

مسٹر سلیم نے پوچھا: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ حربہ عدالت

میں رکھا جائے۔

میاں عبدالعزیز: خیال تو یہی ہے۔

چیف جسٹس: کیا آپ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ جسٹس رجسٹری بنایا گیا ہے آدمی پیش کریں گے۔

میاں عبدالعزیز: کروں گا۔

جسٹس رام لال: کیا آپ اس کا نام بتائیں گے۔

میاں عبدالعزیز: ہو سکتا ہے میں بتاؤں تو کوئی اسے کہہ دے اور وہ منکر ہو جائے۔

جسٹس رام لال: تو اس کا نام ایک کاغذ پر لکھ کر ہمیں بتادیں۔ اس پر میاں عبدالعزیز نے ایک پیلیے سے کاغذ پر لکھ کر فاضل جہان کو دیا۔ جہان نے پڑھا۔
چیف جسٹس: اس کی شکل کیسی ہے؟

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! وہ پتلا دبلا سا آدمی ہے اور اس کے دائرہ بھی ہے۔

چیف جسٹس: لگو اسے پیش ہونا چاہیے، اس کے نام کا پتہ ہونا چاہیے۔
کیا آپ کی کمیٹی کے کسی ممبر کا کوئی پتہ ہے۔

میاں عبدالعزیز: مجھ پر تو سب جیل میں ہیں۔ چوہدری افضل الحق اور مولانا مظہر علی اظہر۔ میں کل اس کا نام دریافت کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس مرحلے پر اجلاس کل تک ملتوی ہو گیا۔ لدھارام کی حاضری ضمانت

کی میعاد آج ختم تھی۔ لیکن چونکہ اسے کل پھریش ہوتا ہے اس لیے منہانت
میں مزید ایک دن کی ترسیل کی گئی۔

(مطبوعہ اردو پریس لاہور)

مقدمہ بخاری کا ڈراپ سین ہو گیا
 مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو رہا کر دیا گیا
 لدھارام کو ناقابل اعتبار گواہ قرار دیا گیا
 ہائیکورٹ میں امیر شریعت زندہ یا د اور لدھارام زندہ یا د کے نعرے

لاہور ۵۔ اپریل حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف
 مشہور مقدمہ زیر دفعات ۳۰۲۔ ۱۱۷۔ ۱۲۴ الف۔ ۱۵۳ التعزیرات ہند
 کا جس نے کئی دنوں سے دلچسپی پیدا کر رکھی تھی ڈراپ سین ہو گیا جب کہ
 آج آئریبل چیف جسٹس سر ٹیڈکس بیگ اور جسٹس رام لال پرستھل ایک
 ڈویژن بنچ نے استغاثہ کے چیف گواہ لدھارام کو ناقابل اعتبار قرار دیتے
 ہوئے مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو بری کر دیا۔

ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں ہوا۔ مقدمہ کا فیصلہ سننے ہی
 احاطہ عدالت میں مجرم نے امیر شریعت زندہ یا د۔ لدھارام زندہ یا د

زندہ باد کے نعرے لگائے۔

زاں بعد ہجوم نے سید عطار اللہ شاہ بخاری کو گھیر لیا۔ پولیس نے بڑی مشکل سے ہجوم کو بٹایا۔ جس کے بعد پولیس لدھارام کو لاری پر بٹھا کر جیل لے گئی۔ شاہ صاحب کو ابھی رہا نہیں کیا گیا کیونکہ وہ زیر دغاات ۱۲۲-۱۵۳۔ راولپنڈی کی ایک عدالت سے سیشن سپرد ہو چکے ہیں۔ اور جس کی سماعت لاہور میں عنقریب ہونے والی ہے۔

لدھارام کی گرفتاری

استغاثہ کے چیف گواہ لدھارام کو جسے فاضل ججان نے مخوف قرار دیا تھا اس کا بیان سنانے کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر سعد اللہ خاں اور چوہدری منشی مجسٹریٹ درجہ اول گجرات کے دستخطوں سے جاری شدہ وارنٹوں کی بنا پر گرفتار کیا گیا۔ لدھارام نے فاضل ججان سے درخواست کی کہ اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔ البتہ فاضل ججان نے یہ درخواست منظور کر لی کہ گجرات میں بھیجنے سے پہلے لاہور جیل میں لدھارام کا معائنہ کرایا جائے۔

لدھارام کے خلاف دو الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا ایک یہ کہ گجرات میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوا اور دوسرا یہ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں ایک مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے نہیں گیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیان

اس کے بعد مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شہادت ہوئی۔ تمام
حوالات چھپت جیٹس نے خود کیے۔
س: کیا آپ نے ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں کوئی تقریر کی۔
ج: جی ہاں۔

س: کیا اس تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کی سلطنت اب ہمیں رہی
مسلمانوں کو اب چاہیے کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں۔
ج: میں نے کہا کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہی ہاتھ سے گئی
سب مسلمانوں کو آزادی وطن میں حصہ لینا چاہیے۔

چھپت جیٹس: کیا آپ نے کہا تھا کہ ہماری سیٹیوں کے نکاحوں کے
تعلق فیصلے یہ شیطان فرنگی کرتے ہیں اور شریعت کی کوئی پرواہ نہیں
ہے۔

ج: ایسے غیر مثر لیفانہ الفاظ میں نے اپنی زبان سے کبھی استعمال نہیں

کیے۔ میں نے کہا تھا کہ وطن کے آزاد ہونے پر ہمارے مذہبی معاملات یعنی نکاح و طلاق وغیرہ کے فیصلے بھی غیر مسلمانوں کی بجائے ہمارے مذہبی نقطہ نگاہ سے شریعت کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

چیف جسٹس: کیا آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ کئی مورخوں نے انگریزوں کی مستعصبانہ چال میں آکر لکھ دیا کہ اردنگ زیب بارہ من جینوروزانہ ارتواتا تھا۔

ج: چونکہ جلسہ کانگریس کا تھا اور میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے بول رہا تھا تو ہندو مسلم اتحاد کے متن میں میں نے کہا تھا کہ بعض متعصبین نے غلط رنگ میں یہ بات مشہور کر دی کہ اردنگ زیب روزانہ بارہ من جینوروزانہ کرتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دہلی کے قریب دجوار میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور اب بھی

چیف جسٹس: کیا آپ نے کہا تھا اگر آپ لوگ میرے ساتھ موجود ہیں تو حکومت کا تختہ الٹ دوں۔ اور ان انگریزوں کو ایسا دھکا دے کر باہر نکالوں کہ واپس نہ آسکیں؟

ج: میں نے اپنی زندگی میں یہ اور ایسے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے ایک اور سوال کے جواب میں سید عطاء اللہ شاہ نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کرو جس طرح یزید نے حسینؑ کی قتل کیا۔ میں پچھلے تیس سال سے عدم تشدد کا پرچار کر رہا ہوں۔

ہنگو سے ڈھا کہ تک اور شملہ سے ممبئی تک کروڑوں آدمیوں میں میں نے
 عدم تشدد کا پرچار کیا۔ لاکھوں کو اپنا ساتھی بنایا۔ میں عدم تشدد کو اپنا
 مذہبی فریضہ سمجھتا ہوں۔ اس قسم کے لغو الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں
 کیے اور نہ آئندہ زندگی میں کر سکتا ہوں۔ جہاں تک حسین اور یزید
 کا تعلق ہے آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید
 کہا اور انگریزوں کو حسینؑ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان اپنے
 آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔

حقیقت حبش: مسٹر عبدالعزیز شاہ صاحب کا کیا مطلب ہے۔
 میاں عبدالعزیز: ان کا مطلب یہ ہے کہ میں غیر اسلامی الفاظ کبھی
 استعمال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ الفاظ استعمال کر کے میں اپنے آپ کو یزید
 کہوں گا اور انگریزوں کو حسین۔ نہ ہی میں برداشت کر سکتا ہوں کہ کوئی
 مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔
 س: کیا آپ نے تقریر کے خاتمے پر کہا تھا کہ علامہ مشرقی گورنمنٹ کا
 دلا اور ایجنٹ ہے۔

ج: میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری تقریر کن فقرات پر ختم ہوئی تھی
 لیکن میں علامہ مشرقی کی تحریک کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ علامہ مشرقی کے
 متعلق ممکن ہے لیکن اچھی طرح یاد نہیں میں نے ایجنٹ کا لفظ استعمال
 کیا ہو۔ نہ کہ وہ دوسرا لفظ۔ میں تو اسے زبان سے بھی کہتا نہیں چاہتا
 سیٹس رام لال: اس کے سوائے کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

سید عطار اللہ شاہ: نہیں۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔
 مسٹر سلیم: میری یہ درخواست ہے کہ ملزم سے دریافت کیا جائے
 کہ اس کی باقی تقریر کے حصے جو ڈائری میں درج ہیں ان کی رپورٹنگ
 ٹھیک ہے اور وہ الفاظ جو ان الفاظ کے سوا ڈائری میں درج ہیں
 درست ہیں۔

چیف جسٹس: مگر یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ملزم کہہ دے گا
 کہ کچھ حصے میں نے کہے اور کچھ نہیں کہے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا۔
 اس پر چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ کیا آپ
 ملزم سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ فاضل جج ان نے
 اجازت دے دی۔

مسٹر سلیم: کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ کون تھا کافر۔ غلام احمد۔
 میاں عبدالعزیز: مگر اس کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں۔
 جسٹس رام لال: مسٹر عبدالعزیز آپ جانتے ہیں کہ لدھارا ام کی
 شہادت کی کیا وقعت ہے؟ (مہتمم)

اس پر مسٹر سلیم نے اپنا سوال بتایا۔ جس پر چیف جسٹس نے شاہ صاحب
 سے یہ سوال پوچھا۔ کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ بھی کافر ہے جس نے انگریزوں
 کو پانچ صد گھڑ سواروں سے مدد دی تھی۔ وہ کون ہے؟ غلام احمد سوال
 یہ ہے یہ کوئی تاریخی واقعہ ہے۔

میاں عبدالعزیز: نہیں مائی لارڈ یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں۔

ج، میں نے ہزاروں مرتبہ مرزا غلام احمد کو کہا کہتا ہوں اور کہتا
 رہوں گا۔ یہ میرا مذہب ہے۔ باقی مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں میں درج
 ہے جس میں انھوں نے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں
 دلایا تھا۔

ان کے دادا نے ۱۸۵۷ء میں پانچ سو سو روپے گورنمنٹ کی مدد
 کی۔
 اس کے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مقدمہ (۲)

مسٹر جی ڈی کھوسلہ

سشن جج گورداسپور کا فاضلانہ فیصلہ

بنجاری ڈیفنس کونسل

۱: مولانا منظر علی اظہر سکریٹری مجلس احرار اسلام ہند

۲: مولانا عبدالحکیم مولوی فاضل آف میاہلہ

۳: لالہ پشوری مل بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی

۴: بابو شریف حسین صاحب بی اے ایل ایل بی

۵: مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر

فاضل کشن حج کا فیصلہ

ایپلائٹ سید عطاء اللہ بخاری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے ۱۶ مئی بامشقت کی مرزا اس تقریر کی بنا پر دی گئی ہے جو اس نے احرار تبلیغ کا نفرنس کے موقع پر ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو کی تھی۔

مرزا نیت کی تاریخ

ایپلائٹ کے خلاف فرد جرم پر نظر ڈالنے سے پہلے چند واقعات کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جو معاملہ زیر بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقریباً پچاس برس کا عرصہ ہوا قادیان کے ایک شخص مسمیٰ غلام احمد نے دنیا کو اعلان کیا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اسلام کے اعلیٰ پادری کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کے بعض عقائد اور اصول اسلام کے عام مسئلہ اصولوں سے بالکل متضاد تھے۔ اس فرقے کا جو قادیانی یا مردانی

یا احمدی کہلاتا ہے امتیازی نشان یہ ہے کہ اس کے ارکان اس فرقے کے بانی کی (جیسے مرزا کہا جاتا ہے) نبوت پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو تحریک اس طرح مشروع کی گئی اس نے جلد ہی ہی شکل پکڑ لی۔ اور آہستہ آہستہ لیکن غیر مشتبہ طور پر بڑھنا شروع کیا اور اس کے پیروچند ہزار کی تعداد میں ہو گئے۔ قدرۃً کچھ مخالفت ہوئی اور مسلمانوں کی اکثریت بانی فرقہ کی مذہبی فوقیت کے گھنٹے سے سخت ناراض ہوئی۔ مذہب کے مخالفوں نے "کافر" کے الزام کا جو مرزا نے ان پر لگایا شدت سے جواب دیا۔ مگر قادیانیوں نے اس بیرونی تنقید کا بالکل خیال نہ کیا اور اپنے وطن قادیان میں مقامی طور پر محفوظ ہوتے ہوئے۔ جہاں تک ہو سکے حالات کے مطابق خوشحال رہے۔

قادیانیوں کا تہذیب اور دہشت انگیزی

مقابلۃً محفوظ ہونے کی اس حالت نے غرور پیدا کر دیا جس نے قادیانیوں میں تقریباً ہر مذہبی شکل اختیار کر لی۔ اپنے دلائل کو منوانے اور فرقے کو ترقی دینے کے لیے انھوں نے ان ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ جن کو عام طور پر نہایت ناپسندیدہ کہا جائے گا۔ انھوں نے ان شخصوں کے دلوں میں جھنوں نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا نہ صرف بائیکاٹ، اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی بدتر مصائب کی دھمکیوں سے دہشت انگیزی پیدا کی، بلکہ اکثر انھوں نے ان دھمکیوں

کو علی جامہ پہنا کر اپنے تبلیغی سلسلے کو مضبوط کیا۔ قادیان میں ایک مسٹر
کو رفقہ رکھی گئی جس کا منشا غالباً اپنے احکام کو منوانے کے لیے قوت پیدا
کرنا تھا۔ انھوں نے عدالتی اختیارات کا استعمال بھی اپنے فتنے کیا۔
دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کی گئیں اور اجراء بھی کرایا گیا۔ فوجداری
مقدمات میں سزائیں سنائے گئے۔ اور سزائیں بھی دی گئیں۔ لوگوں
کو فی الحقیقت قادیان سے نکال دیا گیا۔ قصہ یہیں ختم ہوتا۔ قادیان
پر صرح الزام لگایا گیا کہ انھوں نے مکانات کو تباہ کیا، ہلایا اور قتل تک
بھی کیے۔

الزلات کا ثبوت

اس خیال سے کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ مذکورہ بالا واقعات محض
احرار کے تخیل کی ایجاد ہیں یہ لازمی ہے کہ میں چند واقعی مثالیں بیان
کر دوں جو اس مقدمے کی مسل پر لانی گئیں۔

قادیان سے لوگوں کا اخراج

کم از کم دو اشخاص کو اپنے وطن قادیان سے باہر نکالا گیا کیونکہ ان
کے خیالات مرزا کے خیالات سے متفق نہ تھے۔ وہ اشخاص حبیب الرحمن
ؒ اور اسماعیل ہیں۔ مسل پر ایک چٹھی ڈیڑھ سالہ موجود ہے جس کا
کاتب خود موجودہ مرزا ہے اور جس میں حکم دیا گیا کہ حبیب الرحمن گواہ

صفائیؒ کو قادیان میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس چٹھی کو مرزا بشیر الدین محمود احمد گواہ صفائیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ گواہ صفائیؒ (خان صاحب فرزند علی) نے تسلیم کیا ہے کہ اسماعیل کو جماعت سے خارج کیا گیا۔ اور قادیان میں داخل نہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے دیگر گواہوں نے تشدد اور ظلم کی داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہؒ بیان کرتا ہے کہ مرزا میوں نے اس پر حملہ کیا۔ ایک شخص غریب شاہ کو قادیانوں نے مارا اور جب اس نے دعویٰ کرنا چاہا تو کوئی شخص اس کی شہادت دینے کے لیے آگے نہ آیا۔ قادیانی تجھوں کے فیصلہ شدہ مقدمات کی مسلیں پیش کی گئیں۔ جو مسل میں موجود ہیں۔ مرزا نے تسلیم کیا ہے کہ عدالتی اختیارات قادیان میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ان معاملات میں وہ خود آخری عدالت اہل ہے۔ عدالت کی دگر کیوں کا اجرا کیا جاتا ہے۔ اور ایک مثال بھی موجود ہے۔ جہاں دگر کی کے اجراء میں ایک مکان کو نیلام کیا گیا۔ قادیان میں ایک والٹیر کو رکھی موجودگی کی شہادت گواہ صفائیؒ (مرزا شریف احمد) نے دی ہے۔

مولانا عبدالحکیم مبارک کی داستان رد اور محمد حسین شہید کا قتل
 علاوہ ازیں سب سے سنگین معاملہ عبدالحکیم کا ہے جس کی داستان

۱: مرزا کو جو عرضیاں دی جاتی ہیں ان پر قادیانی ساخت کا اسٹامپ اور کوٹ فیس تیار کر کے فروخت اور استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہ سب پوشیدہ طور پر کیا جاتا ہے

حقیقتاً ایک داستانِ درد ہے۔ اس شخص نے مرزائی مذہب قبول کیا اور قادیان چلا گیا۔ مگر وہاں اس کے دل میں مذہبی شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور اس نے مرزائیت سے توبہ کی سب اس پر ستم آرائی کی ابتدا ہوئی۔ اس نے ایک اخبار ”مباہلہ“ نامی جاری کیا جس کا مقصد مرزائی جماعت کے اعتقادات پر تنقید کرنا تھا۔ مرزا نے ایک تقریر میں جو ستادین ڈی زیڈ ۳۰ (افضل مورخہ ایلم) میں شائع ہوئی ہے اس تقریر میں ان لوگوں کی طرف اشارہ بھی کیا جو اپنے مذہب کی خاطر قتل کرنے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس تقریر کے فوراً بعد عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ لیکن وہ بچ گیا۔ ایک شخص محمد حسین عبدالکریم کی امداد کرتا تھا اور ایک فوجداری مقدمہ میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا اس کا صانن تھا، اس پر فی الحقیقت حملہ ہوا۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوئی

قاتل کی عزت افزائی

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی اور پھانسی کے بعد لاش قادیان میں لائی گئی۔ اور بڑی دھوم دھام سے اسے اس جگہ دفن کیا گیا جس کا نام بہشتی مقبرہ ہے۔ افضل اخبار میں جو مرزائی جماعت کا اخبار ہے قتل کی تعریف اور قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہیں تھا اور امر واقع سے قبل ہی جان دے کر پھانسی کی بدنام کتہہ سزا سے بچ گیا۔ خدا نے اپنے عدل و انصاف میں یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی کی ذلت سے پہلے ہی اس کی روح

تفصیل کر لے۔

مرزا محمود کی صیرح غلط بیانی اور اس کا فسادِ نیت

جب عدالت میں مرزا کا ایک معاملے کے متعلق بیان لیا گیا تو اس نے بالکل مختلف کہانی بیان کی اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کو باعزت طریق پر اس لیے دفن کیا گیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر اظہارِ ندامت کیا تھا اور اس طرح گناہ سے بری ہو گیا تھا۔ لیکن دستاویز ڈی زیڈ نمبر اس کی تردید کرتی ہے۔ اور مرزا کی نیت اور اس کی ولی کیفیت کا پتہ اس اظہارِ خیالات سے بالکل عیاں ہے۔ (ڈی زیڈ نمبر)

لاہور ہائیکورٹ کی توہین

میں یہاں یہ بھی کہہ دوں کہ اس دستاویز کا مضمون لاہور ہائیکورٹ کی توہین بھی ہے۔

محمد امین کا قتل

ایک اور واقعہ بھی ہے جو محمد امین کے قتل سے تعلق رکھتا ہے یہ محمد امین بھی مرزائی تھا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اس فرقے کا ایک مبلغ تھا اس کو بخارا بھیجا گیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کو ملازمت سے سبک دوش کر دیا گیا۔ اس کی موت کھارٹری کی ایک ضرسیا سے ہوئی جو چوہدری فتح محمد گواہ صنیعی

انہوں نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملے کو سرسری نظر سے دیکھا ہے لیکن اس پر نظر غائر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ محمد امین اگرچہ مرزا ائی تھا لیکن وہ مرزا کا موروثی حساب ہو چکا تھا اس لیے ہستی بزرگ نہیں رہا تھا اس کی موت کے واقعات کچھ ہی ہوں یہ امر ناقابل انکار ہے کہ محمد امین تشدد کی موت مرا۔ پولیس کو واقف کی اطلاع دی گئی لیکن بالکل کارروائی نہ کی گئی۔ یہ بحث کرنا مفصل ہے کہ قاتل حفاظت خود اختیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ فیصلہ تو اس عدالت کا کام ہے جو مقدمے کی سماعت کرے۔ یہ امر کافی تعجب انگیز ہے کہ چوہدری فتح محمد نے یہ اقرار صالح بیان دیا ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا تھا۔ مگر پولیس کچھ نہ کر سکی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مرزا ائی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ کوئی گواہ سامنے آکر سچ بولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکحیم کے مکان کا معاملہ بھی ہے عبدالکحیم کو قادیان سے نکالنے کے بعد اس کا مکان جلا دیا گیا۔ اسے قادیان کی اسماں ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے تیم قانونی طریقے سے گرانے کی کوشش بھی کی گئی۔

قادیان میں طوائف الملوکی!

یہ افوس ناک واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قادیان میں طوائف الملوکی تھی جس میں آتش زنی اور قتل بھی ہوتے تھے۔

حکومت مفلوج ہو چکی تھی!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکام ایک غیر معمولی درجے کے فالج کا شکار ہو چکے

اور دنیوی اور دینی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز نہ اٹھائی گئی۔ مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایات کی گئیں لیکن اسناد نہ ہوا۔ مسئلہ پر ایک دو ایسی شکایات ہیں لیکن ان کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے۔ اور اس مقدمے کے اعراض کے لیے یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں ظلم و جور جاری ہونے کے متعلق غیر مشتبہ الزامات عائد کیے گئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی گئی۔

تبلیغ کا نفرنس مانوں میں روح حیات پیدا کر نیکی لیے بلائی گئی۔

ان کا ردوائوں کے سبب اب کے لیے اور مسلمانوں کے اندر متقدانہ روح حیات پیدا کرنے کے لیے احوار تبلیغ کا نفرنس بلائی گئی۔

قادیانیوں کی طرف سے کا نفرنس کی مخالفت

قادیانیوں نے قدرۃ اس اقدام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور انھوں نے کا نفرنس کے انعقاد کو کلیتہً روکنے کے لیے دلیرانہ کوشش کی۔ احوار کا نفرنس کے انعقاد کے لیے ایک شخص البیتر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی۔ قادیانیوں نے اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اس پر دیوار کھینچ دی۔ اس طرح اس ایک ہی قطعہ زمین سے بھی محروم کر دیے گئے۔ جو ان کو قادیان میں حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس لیے مجبور کر دیے گئے کہ قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ اپنا اجلاس کریں۔ دیوار کا بنایا جانا ظاہر کرتا ہے

کہ اس وقت فریقین میں تعلقات کس قدر کشیدہ تھے۔ اور مرزا بہول کا ترکس
حکامک پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی انجام سے اپنے آپ
کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے تھے۔

مولانا عطار اللہ شاہ کا مقناطیسی جذب اور فصیحانہ خطابت

لیکن اجلاس ہوا۔ اور یہی اجلاس تھا جس کے لیے اپیلانٹ کو کہا گیا
جو بے انداز مقناطیسی جذب اور اعلیٰ درجے کی فصیحانہ خطابت کا مالک ہے
اس نے اس اجلاس میں وہ تقریر کی جسے ولولہ انگیز خطاب کہا جاسکتا ہے تقریر
کئی گھنٹے جاری رہی۔ اور بیان کیا گیا ہے حاضرین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا سحر
ہیں۔ اس تقریر میں اپیلانٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کس قدر صاف گوئی
سے کیا اور اس نے اس بات کو پوشیدہ نہ رکھا کہ اس کے دل میں مرزا اور
اس کے پیروؤں کے خلاف کس قدر ناپسندیدگی بلکہ نفرت ہے یقیناً
اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر اعتراض کیا گیا۔ معاملہ حکومت پنجاب کے
سامنے پیش ہوا۔ جس نے موجودہ مقدمہ کی اجازت دی۔

تقریر کے قابل اعتراض حصے

اپیلانٹ کے خلاف جو فرد جرم ہے اس میں اس کی تقریر کے سات حصے
درج ہیں جن کو خاص طور پر قابل اعتراض اور قابل گرفت بتایا گیا ہے۔ وہ
حصے یہ ہیں، فرعونیت تحت الشا جبار ہے انتشار اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

وہ بنی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسا ہوں۔ وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ وہ مجھ سے اردو، فارسی، پنجابی میں ہر معاملے پر بحث کر لے۔ یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردے سے باہر آئے، نقاب اٹھائے کشتی لڑے۔ مولاعلیٰ کے جوہر دیکھے۔ وہ ہرزنگ میں آئے۔ وہ موٹریں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں۔ وہ لیشیم بہن کر آئے میں کھڈر۔ وہ مزعفر، کباب، یا قزقیات اور بلوچر کی ٹانگ وائن اپنے آبا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جھکی رونی کھا کر آؤں۔

۳: یہ بہار امقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ برطانیہ کے دم کٹے چکے ہیں۔ وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی توصیف کرتا ہے۔ میں بکتر سے نہیں کہتا ہوں بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو پھر بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو۔ کیا کر دل لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ سیاسی مجلس نہیں ہے۔ اور نہ ایو اگر بائیس ڈھیلی ہوتیں۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی ہوش میں آؤ تمھاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔

۴: جمہور پنچویں جماعت میں فیمل ہوتے ہیں نبی بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے جو فیمل ہوا وہ نبی بن گیا۔

۵: اومیح کی بھیر ٹوٹم سے کسی کا ٹکڑا نہیں ہوا جس سے اب مقابلہ پڑا ہے یہ مجلس احرا ہے اس نے تم کو ٹکڑے کر دینا ہے۔

۱۶: اور نہ ایو اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

۱۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے نہ بھتے۔

ایپلائنٹ نے عدالتِ ماسحت میں بیان کیا کہ اس کی تقریر درست طور پر
 نہیں لکھی گئی۔ اس نے جملہ دفعہ کے متعلق خاص طور پر کہا کہ وہ اس کا کہا ہوا نہیں
 ہے۔ اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے لیکن اس نے عبارت
 کے غلط ہونے کا عذر اٹھایا۔ عدالتِ ماسحت کے فیصلے پر کہ جملہ دفعہ کی رپورٹ
 غلط ہے اور ایپلائنٹ کو اس کے متعلق مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا ایپلائنٹ کی
 سرزایابی باقی چھ فقروں پر مدار رکھتی ہے۔ ایپلائنٹ کے وکیل نے بحث کے
 وقت فردا تسلیم کیا کہ فقرہ جات ۱۳ اور ۱۴ تا ۱۵ فی الحقیقت ایپلائنٹ نے
 کہے۔ وہ اس مرحلے پر رپورٹر کی عبارت کی درستگی کو بھی زیر بحث نہیں لانا چاہتا
 اس لیے میرے واسطے ہی امر قابلِ فیصلہ ہے کہ آیا یہ چھ جملے زیر دفعہ ۱۵۳ الف
 قابلِ گرفت ہیں اور کیا یہ الفاظ کہہ کر مرافعہ گزار نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے
 مرافعہ گزار نے عدالت میں بہت سی تحریری شہادتیں پیش کیں اور یہ
 یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی تقریر کا مقصد مرزا اور اس کے متبعین کے
 جبر و تشدد اور ستم راہیوں پر جائز اور معقول تنقید کرنا تھا۔ اس کا بیان ہے
 کہ اس کی تقریر کا واحد مقصد سونے ہوئے مسلمانوں کو دعوتِ بیداری دینا اور
 مرزا یوں کے مذموم افعال کا راز و تشدد انہیں کرنا تھا۔

اس نے اپنی تقریر میں حاجی مرزا کے ظلم و تشدد کا ذکر کیا ہے اور مطالبہ کیا
 ہے کہ ان مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کیا جائے جو صرف مرزا کی نبوت اور اس
 کے خود ساختہ اقتدار کے منکر ہونے کی وجہ سے ہدفِ جوہر و ستم بنے ہوئے ہیں۔

تقریر کا مقصد میں نے مراۃ گزار کی تقریر پر ان حالات کی روشنی میں غور کیا ہے جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے اور یہ کہ وہ مرزا اور اس کے متبعین کے افعال پر تنقید کرے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دینا چاہتا تھا کہ وہ مرزائیوں کے مقابلے میں بیدار ہو کر اپنی شکایات کے ازالہ کی کوئی صورت نکالیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے صلح کا ایک اعلان تھی۔ لیکن اسے برسرِی طور پر پڑھنے سے کوئی معقول آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اعلان صلح کی بجائے یہ تقریر بیکار آزما کی دعوت تھی۔ مراۃ گزار نے قانون کے اندر رہنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو لیکن اپنی رسالت اور جوش فصاحت میں وہ قانون کی اقتصادی حدود کو بچا نہ گیا۔ اور اس نے ایسی باتیں کہہ دیں جو اس کے سامعین کے دل میں مرزائیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک پختہ کار مقرر کی طرح مراۃ گزار نے روم کے مارک انٹونی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے برسرِ پر خاش نہیں ہونا چاہتا لیکن صلح و اتحاد کا یہ اعلان ایسی سخت کلامی سے مملو تھا جس کا مقصد سامعین کے دل میں احمدیوں کے خلاف منافرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ مراۃ گزار کی تنقید میں ایسے حصے بھی ہیں جو مرزا کے افعال کی جائز اور معقول تنقید پر مبنی ہیں تقریر کے

دوران میں غریب شاہ کو زود کرب کرنے کا واقعہ، محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مردائے قادیان کے جبر و تشدد کے متعدد ایسے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن پر تنقید کرنے کا ہر سچے مسلمان کو حق ہے۔ نیز اس تقریر کے دوران میں اس توہین کا ذکر بھی کیا گیا جو احمدی پیغمبر محمدؐ کی شان میں روا رکھتے ہیں۔ اور جن سے لازمی طور پر مسلمانوں کے جذبات بخروج ہوتے ہیں۔

مرزائیوں اور مسلمانوں کے عقائد مسلمانوں کے نزدیک محمد مصطفیٰ خاتم النبیینؐ ہیں۔ لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ کے بعد بھی نبی آ سکتے ہیں۔ اور ان پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور یہ کہ فرقہ مرزائیہ کا بانی نبی اور مسیح موعود تھا۔ اس حد تک مرقمہ گذار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے لیکن جب وہ سخت کلامی سے کام لیتا ہے اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے خطاب کرتا ہے جنہیں مستحکم کوئی معقول آدمی گوارا نہیں کر سکتا تو وہ جائز اور معقول تقریر کی حدود کو پھاند جاتا ہے اور خواہ اس نے یہ باتیں دیدہ و دانستہ کہیں یا جذبات کے جوش میں قانون ان سے اعراض نہیں برت سکتا۔

تقریر کا اثر مرقمہ گذار کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے سامعین کی اکثریت ناخواندہ دیباچوں پر مشتمل ہے اور یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دل میں احمدیوں کے خلاف بغض و عناد کے جذبات کی پرورش کرے گی۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریر نے سامعین پر مڑ حرمہ اثر ڈالا اور مقرر کی سائنٹیفک مسجد ہونکو گول نے متعدد دفعہ جوش کا مظاہرہ کیا۔ یہاں اس امر پر بحث کرنے

کی ضرورت نہیں کہ سامعین نے اس وقت اپنے مخالفین کے خلاف مستردانہ اقدام کیوں نہ کیا۔ اس تقریر نے نفرت کو کچھ زیادہ ہی کم دیا ہے۔

تقریر کے قابل اعتراض حصے فرد جرم میں جن سات حصوں کو قابل گرفت سمجھا گیا میرے نزدیک ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابل اعتراض حصے ہیں۔ ان تقریروں میں مرافقہ گزار نے احمدیوں کو برطانیہ کے دسم بریدہ کہتے کہا ہے میرے نزدیک دوسرے حصے تقریرات ہند کی دفعہ ۵۴ کے ماتحت قابل گرفت نہیں ہیں۔ پہلا حصہ یعنی فرعون کی سخت لٹ جابا رہا ہے۔ میرے نزدیک بالکل بے ضرر ہے دوسرا حصہ مرزا کی غوراک کے متعلق ہے۔ یہ امر قابل دل چسپی ہے کہ مرزائے اول نے اپنے عقیدت مندوں میں سے ایک کے نام خط لکھا تھا جس میں غوراک کی ایسی تمام تفصیلات موجود تھیں۔ یہ خطوط کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور ان کا ایک نسخہ اس مقدمے کے کاغذات میں شامل ہے۔

میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصے کے سوا اور کوئی حصہ قابل گرفت نہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ مرافقہ گزار کی تقریر میں صرف وہ حصے ہی قابل اعتراض ہیں۔ تقریر کے کوالف سے پتہ چلتا ہے کہ مرافقہ گزار کا مقصد جہاں احمدیوں کے افعال شنیعہ کا تا روپ دکھینا تھا وہاں مسلمانوں کے دل میں ان کے خلاف جذبات حقارت پیدا کرنا بھی تھا۔ یہ امر کہ سامعین نے اس کی تقریر سے متاثر ہو کر تشدد اور امن شکنی کا مظاہرہ کیوں نہ کیا اس کے جرم میں صرف تخفیف کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

مرزا تیلو کی خلاف تنقید جان بڑھتی تھی اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مرزا نے
گزار احمدیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ تاہم میرے خیال میں اس نے قانون کی حدیں توڑ دیں۔ اگر جس
مراقبہ گزار نے اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو بھی قانون کی ہمہ گیری کا
تحفظ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اس مقدمے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور سامعین پر اس
آخری فیصلہ تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا
ہوں کہ مراقبہ گزار نے تقریرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت ارتکاب
جرم کیا ہے اور اس کے جرم کو قائم رہنا چاہیے۔ سزا کی کمی اور بیشی کا اندازہ
کرتے وقت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے
جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے۔ چنانچہ میں اس کی سزائیں تخفیف کرتے
ہوئے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

دستخط

جی ڈی کھوسلہ سشن جج

گورواپور

۶۔ جون ۱۹۳۵ء